مجلس ادارت

معارف کا زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰؍روپے — فی شمارہ ۱۲؍روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰؍روپے

دیگر ممالک میں سالانہ — ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

حافظ سجاد الٰہی ۷۶ اے، مال گودام روڈ، لوہا مارکیٹ، بادامی باغ، لاہور، پنجاب (پاکستان)

Mobile: 3004682752 ---- Phone: (009242) 7280916 5863609

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۹ ماہ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ماہ مارچ ۲۰۰۷ء عدد ۳

فہرست مضامین

شذرات — ضیاء الدین اصلاحی — ۱۶۲-۱۶۴

مقالات

ہندوستان میں عربی ادبیات — پروفیسر محمد اجتبا ندوی — ۱۶۵-۱۸۹

رسول اللہ ﷺ کا آخری تحریری ہدایت نامہ — جناب لطف الرحمان فاروقی صاحب — ۱۹۰-۲۱۲

مقالات شبلی میں عربی زبان و ادب — ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی — ۲۱۳-۲۲۶

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریہ تقلید — جناب توقیر احمد ندوی — ۲۲۷-۲۳۴

اخبار علمیہ — ک۔ص اصلاحی — ۲۳۵-۲۳۶

معارف کی ڈاک

تحقیق یا سرقہ؟ — جناب محمد نواز مونہل صاحب — ۲۳۷-۲۳۸

مطبوعات جدیدہ — ع۔ص — ۲۳۹-۲۴۰

ای میل: email: shibli_academy@rediffmail.com

شذرات

اعظم گڈھ میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کے علاوہ علامہ شبلی کی ایک اور بڑی یادگار شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج بھی ہے، ان دونوں کو مولانا سید سلیمان ندوی علامہ کے ایک شعر کے دو مصرعے کہا کرتے تھے، شبلی نیشنل اسکول کو وہ ۱۸۸۳ء ہی میں قائم کر چکے تھے، دارالمصنفین کا خیال بھی ان کے ذہن میں عرصے سے پرورش پارہا تھا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اس وقت کمر کسی جب ندوۃ العلما میں اپنی تمام قوت وتوانائی صرف کرنے کے بعد بھی اسے اپنے لئے موافق نہیں بنا سکے اور ان کے خاندانی حالات و مسائل نے انہیں اعظم گڈھ میں قیام کے لئے مجبور کردیا مگر افسوس کہ اس وقت ان کی زندگی کی شام ہوچکی تھی، چنانچہ ابھی اس کا ڈھانچہ ہی کھڑا کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ داعی اجل کا پیام آگیا، یہ عرض کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حلقوں کی پھیلائی ہوئی یہ غلط فہمی رفع ہوجائے کہ علامہ شبلی کے بجائے کسی اور گروہ نے اسے قائم کیا تھا، پھر یہ شبلی کالج کی طرح کوئی مقامی ادارہ نہیں بلکہ قوم کے بعض بڑے اداروں کی طرح آل انڈیا ادارہ ہے جس کے انتظامی ارکان بھی پورے ملک سے منتخب کئے جاتے ہیں، علامہ کے حسن نیت کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ دارالمصنفین کو بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی اور دشواریوں اور مشکلات کے باوجود اس نے اپنی عمر کے ۹۳ برس مکمل کرلئے ورنہ اس طرح کے ادارے جن کے لئے نہ کبھی عوامی چندے کئے گئے ہوں، نہ جن کو حکومتوں سے کوئی مستقل امداد ملتی ہو، جن کی بنا پر کبھی مالی استحکام نصیب نہ ہوا ہو، اتنے طویل عرصے تک قائم نہیں رہتے مگر ان ہی حالات میں دارالمصنفین نے کئی بین الاقوامی اور قومی سمینار بھی کرائے، ابھی نومبر ۲۰۰۴ء میں علامہ شبلی پر دو روزہ سمینار بھی ہوا تھا۔

دارالمصنفین کے زیر اہتمام ہونے والی تقریبات شبلی کالج کے تعاون سے اس کے وسیع میدان اور عمارتوں میں ہوئیں، جب سے کالج کی باگ ڈور ڈاکٹر افتخار احمد کے ہاتھ میں آئی ہے، اس کی دنیا بدل گئی ہے، انہیں تعمیر وآرائش کا بڑا عمدہ ذوق ہے، کالج پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر اپنے اثر ورسوخ اور حسن انتظام سے سرکاری وغیر سرکاری ذرائع سے عطیات فراہم کر کے شبلی کالج کو چمنستان اور اس کے دشت وکوہسار کو خوب صورت اور دل کش عمارتوں سے سجادیا ہے، اب ان کی توجہ علمی وادبی کاموں کی طرف بھی ہوگئی ہے، جس سے حوصلہ پاکر شعبہ اردو کے صدر ڈاکٹر شباب الدین صاحب مختلف شعبوں سے وابستہ اپنے ہم ذوق رفقائے کار کی مدد سے علمی وادبی پروگرام کرا رہے ہیں، اس سے پہلے مشہور ترقی پسند شاعر کیفی اعظمی پر ایک کامیاب سمینار ہوا تھا اور اب ۲۴، ۲۵ فروری کو علامہ شبلی کی معنویت پر بڑی دھوم دھام سے دو روزہ سمینار

ہوا، جس میں ملک وبیرون ملک کے ارباب علم ودانش نے حصہ لیا اور افتتاحی واختتامی اجلاس کے علاوہ مقالات کے پانچ جلسے ہوئے، ان میں شہر اعظم گڈھ کے باذوق حضرات کے ساتھ ہی ضلع اور مئو کے اکثر بڑے مدارس اور جدید تعلیم گاہوں کے فضلا بھی امنڈ پڑے تھے، افتتاحی جلسہ کی صدارت جناب رجب نژاد (ایران) نے فرمائی اور اس کا افتتاح پروفیسر ریاض مجید (پاکستان) کی تقریر سے ہوا، پروفیسر عبدالحق، پروفیسر کبیر احمد جائسی اور راقم نے علامہ کو خراج عقیدت پیش کیا، ڈاکٹر افتخار احمد نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں علامہ شبلی کی عظمت اور سمینار کی غرض بتاتے ہوئے اپنے اس عزم کا بھی اظہار کیا کہ آئندہ سال کالج کی ۱۲۵ویں سال گرہ منائی جائے گی جس میں علامہ شبلی اور کالج کے گزشتہ کارناموں اور اس کے آئندہ کے منصوبوں پر روشنی ڈالی جائے گی، ڈاکٹر شباب الدین نے جلسے کی نظامت بڑی خوش اسلوبی سے کی۔

مقالات کے جلسوں کی صدارت تین چار افراد کی مجلس صدارت نے کی اور نظامت کی خدمت مختلف حضرات نے انجام دی، یہاں صرف مقالہ نگاروں کے نام درج کئے جاتے ہیں، جناب شمیم طارق ممبئی، پروفیسر خورشید نعمانی ممبئی، جناب غضنفر علی دہلی، پروفیسر سید عبدالباری علی گڑھ، ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی لکھنؤ یونی ورسٹی، پروفیسر رابعہ سرفراز پاکستان، پروفیسر عبدالقادر جعفری الہ آباد یونی ورسٹی، ڈاکٹر جعفر حسین رانچی یونی ورسٹی، ڈاکٹر شمس بدایونی بریلی، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی رام پور، ڈاکٹر تعظیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، ڈاکٹر سید عبدالباری دہلی، ڈاکٹر جگر محمد جموں یونی ورسٹی، ڈاکٹر جاوید علی خاں شبلی کالج اعظم گڈھ، ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی رضا لائبریری رام پور، پروفیسر فضل امام الہ آباد، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، پروفیسر محسن عثمانی حیدرآباد، ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی بنارس ہندو یونی ورسٹی، پروفیسر صابر کلوروی فیصل آباد پاکستان، پروفیسر محمد زاہد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ڈاکٹر منور انجم مئو کالج، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اعظم گڈھ، ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنفین، ڈاکٹر عمر کمال الدین بنارس ہندو یونی ورسٹی، پروفیسر ریاض مجید پاکستان، ڈاکٹر عبداللہ سرفراز الہ آباد، پروفیسر افغان اللہ گورکھ پور یونی ورسٹی، ڈاکٹر خلیق انجم دہلی، ڈاکٹر نسیم احمد بنارس ہندو یونی ورسٹی، ڈاکٹر فخر الاسلام شبلی کالج، ڈاکٹر احمد وعمیر منظر جامعہ دہلی، پروفیسر عبدالحق دہلی، مولانا عمیر الصدیق دارالمصنفین، پروفیسر کبیر احمد جائسی علی گڑھ، ڈاکٹر صاحب علی ممبئی، اختتامی جلسے میں تمام پاکستانی اور کئی ہندوستانی مندوبین کے تاثرات کے جواب میں ڈاکٹر افتخار احمد پرنسپل کی تقریر ہوئی، اس جلسے کی صدارت پروفیسر عبدالباری علی گڑھ اور ڈاکٹر فخر الاسلام صدر شعبہ عربی شبلی کالج نے نظامت کی۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ پولس پر مسلمانوں کا اعتماد نہیں رہ گیا ہے، ملزموں کا تعلق اگر اکثریتی فرقے سے ہوتا ہے تو پولس ان کو دبانے اور بچانے کے لئے ایف آئی آر درج کرنے میں پس وپیش کرتی

ہے لیکن اقلیتی فرقے کے لوگوں پر جھوٹے اور بے سروپا واقعات تھوپ کر ملزم بنا دیتی ہے اور ایسی ذہنی و جسمانی اذیتیں دیتی ہے کہ بعض لوگوں کی موت ہو جاتی ہے، حکومت کسی پارٹی کی ہو وہ اس کا کوئی ایکشن نہیں لیتی، مہاراشٹر میں گوناگوں واقعات ہوئے، ناندیڑ کے واقعہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں بجرنگ دل کا ہاتھ تھا مگر وہاں کے کانگریسی وزیر اعلا بعد از خرابی بسیار ہی اس کے اور مالیگاؤں کے واقعات کی تحقیقات سی بی آئی سے کرانے پر آمادہ ہوئے، الہ آباد میں جامعۃ الصالحات کی طالبات کے ساتھ جو درندگی کی گئی اس میں بھی پولس زانی ملزموں اور غنڈوں کو بچانے کے لئے بے قصوروں کو گرفتار کر کے ان کو پھانسنا چاہتی ہے مگر یوپی کے وزیر اعلا ایسے وحشیانہ واقعے کی تحقیقات سی بی آئی سے کرانے کے لئے تیار نہیں، ریاست جموں و کشمیر کا تو مقدر ہی ہلاکت و تباہی ہے، وہاں بے قصور اور معصوم کشمیریوں کو فرضی مڈبھیڑوں میں ہلاک کرنے کا جو واقعہ ابھی سامنے آیا ہے اس کی ابتدائی تحقیقات ہی نے فوج کے رویے کو مشکوک کر دیا ہے، جس نے محض انعام کی لالچ میں اس قدر بے رحمی اور سفاکی کا مظاہرہ کیا، دوسری ریاستوں کی طرح یہاں کے وزیر اعلا نے بھی کہا ہے کہ مجرموں کو بخشا نہیں جائے گا لیکن اس پر یقین کیسے کیا جائے، ملیانہ اور ہاشم پورہ سے لے کر گجرات تک کے کتنے بے گناہ مسلمانوں کے خون کے دھبے پولس ہی کے دامن پر تو ہیں مگر کیا بے گناہوں کے ساتھ انصاف ہوا؟

تحریک ترک موالات کے زمانے میں جب جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام علی گڑھ میں ہوا تو اس کا سنگ بنیاد مولانا محمود حسنؒ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا، حضرت کا خطبہ ان کے ضعف و علالت کی وجہ سے ان کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھا، یہ اور اس کے دوسرے بانی مولانا محمد علی کے عزائم و منصوبے اور جامعہ کی تاریخ جس کے سامنے ہوگی، وہ اس کے اقلیتی ادارہ ہونے کی نفی نہیں کر سکتا مگر اس کے موجودہ وائس چانسلر اقلیتی تعلیمی اداروں سے متعلق قومی کمیشن کے سامنے یہ بیان دیتے ہیں کہ ''جامعہ کو اقلیتی کردار نہیں دیا جاسکتا یہ ایک غلط اور قابل مذمت بات ہے'' حالانکہ ۱۹۹۷ء میں اس کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ جو ان ہی کی صدارت میں ہوا تھا، یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر چکا ہے کہ جامعہ کو مسلم اقلیتی ادارہ تسلیم کیا جانا چاہیے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجاست، معلوم ہوتا ہے کہ وہ جامعہ کی روح ہی ختم کرنے کے لئے وائس چانسلر مقرر کئے گئے ہیں، اسی لئے طلبہ سے ان کا اکثر ٹکراؤ رہتا ہے، ابھی حال ہی میں خبر آئی ہے کہ نام نہاد مسلمانوں کے اس گروہ کے ساتھ جامعہ کے بعض حضرات بھی یہودی پیش واؤں سے دو بار ملاقات کا شرف حاصل کر چکے ہیں، ایک بار بابری مسجد مسمار کرنے والے لال کرشن اڈوانی کے در دولت پر اور دوسری بار دہلی کے ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں۔

☆☆☆☆☆

مقالات

ہندوستان میں عربی ادبیات

از:- پروفیسر محمد اجتبا ندوی☆

ہندوستان میں عربی ادب اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ عرب و ہند کا تعلق و رشتہ، مورخین بیان کرتے ہیں کہ ابوالبشر آدمؑ اسی سرزمین پر اتارے گئے اور اسی کے شہروں اور آبادیوں سے گذر کر جزیرۂ عرب گئے اور حضرت حوّاؑ سے عرفات میں ملاقات کی اور پھر ہندوستان واپس آگئے اور یہاں ی وفات پائی اور اسی مٹی میں دفن کیے گئے، حضرت آدمؑ کے ساتھ حجر اسود، جنت کے خوش بودار پتے بھی اترے اور ان کی پیشانی پر نور محمدی جگمگا رہا تھا، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (م۱۲۰۰ھ) نے بڑی تفصیل سے ان روایتوں کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے (۱)، اسی حوالے سے ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے تحریر کیا ہے:

''حضرت آدمؑ کے قصہ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمین پر انسانی زندگی کے'' آغاز ہی میں ہند اور عرب کے درمیان تعلق پیدا ہو گیا تھا''۔(۲)

اس بیان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگرچہ ہند اور عرب کے درمیان سیاسی تعلقات کا آغاز بہت دیر سے یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ہوا تاہم یہ ممالک جونسل اور زبان کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، بہت ہی قدیم زمانہ یعنی ساتویں صدی قبل مسیح کے آغاز سے تجارت کے ذریعہ باہم مربوط تھے اور ممکن ہے کہ یہ روابط ماقبل تاریخ زمانہ سے قائم ہوں''۔(۳)

☆المرکز العلمی مصطفےٰ منزل، گل مہر ایونیو اے ۱/۳۰، تکونہ پارک، جامعہ نگر نئی دہلی۔

مغربی ممالک کو ہندوستان سے عرب ممالک ہوتے ہوئے تجارتی راستے سندھ سے دریائے فرات پر واقع انطاکیہ اور مشرقی بحیرۂ روم کی بندرگاہ سے جاتے تھے، دوسرا راستہ ہند سے حضر موت کے راستے یورپ تک جاتا تھا اور تیسرا راستہ مصر و اسکندریہ کے ساحل سے جاتا تھا، یورپ کا سفر عرب ملاحوں کی رہنمائی میں ہوا کرتا تھا اور اس دور کی معروف دنیا ان راستوں سے جڑی ہوئی تھی، ان تجارتی قافلوں اور ان کی نقل و حرکت کی جانب قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا آمِنِيْنَ ۔ (۳۴:۱۸)

اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، سرراہ بستیاں بھی آباد کیں اور ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرادیں، ان میں رات دن بے خوف وخطر سفر کرو۔

نیز سورۂ قریش میں ارشاد ہے:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اِيْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۔ (۱۰۶:۱و۲)

قریش کے مانوس ہونے کی وجہ جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس وخوگر ہونے کے سبب سے۔

ان ہی گزرگاہوں کی نشان دہی کرتے ہوئے جناب ممتاز احمد پٹھان نے تحریر کیا ہے:

"عرب دنیا سے سندھ کے تعلقات خصوصاً عراق، یمن اور عمان سے تاریخ کی ابتدا ہی سے چلے آرہے ہیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ سمیری لوگ جو بابل کی سامی تہذیب کے معمار ہیں، وادی سندھ سے ہجرت کرکے عراق چلے گئے تھے، سندھ، بلوچستان، فارس اور خوزستان کے بعض علاقوں کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ سے لے کر فرات تک سمیریوں کی بہت بڑی سلطنت تھی، انہوں نے مغربی ایشیا کو تہذیب سکھائی اور دوسری چیزوں کے علاوہ لکھنے کے فن اور خط کوفی سے متعارف کرایا، ہل اور پہیہ جو انسانی تہذیب وثقافت کی بنیاد ہیں سب سے پہلے ان ہی لوگوں کی وجہ سے ان دو دریاؤں کی سرزمین

میں ہوئے"۔(۴)

علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

"ہندوستان اور عرب دنیا کے وہ ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہم سایہ اور پڑوسی کہے جاسکتے ہیں، ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے، جس کی سطح پر ایسی وسیع اور لمبی چوڑی سڑکیں نکلی ہیں جو ایک ملک کو دوسرے سے باہم ملاتی ہیں، یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے کے خشکی کے کنارے ہیں، اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارض حرم کا دامن تھامے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندوؤں کے آریہ ورت کے قدم چھوتا ہے۔

دریا کے کنارے کے ملک فطرتاً تجارتی ہوتے ہیں، یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا، عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر وشام کے ذریعہ یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے"۔(۵)

اس سے نہ صرف تجارتی وسیاسی روابط مستحکم ہوئے بلکہ علمی وثقافتی اور بعد میں تہذیبی و دینی سرگرمیوں کا بھی آغاز ہوگیا، دونوں کی زبانوں کے حروف والفاظ سے بھی شناسائی ہونے لگی جس سے افہام وتفہیم میں آسانی ہوئی، اس سلسلہ کی گراں قدر کتاب "عرب وہند کے تعلقات" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"عربوں کے ہندوستانی سواحل پر دریائی آمدورفت کا یہ اثر ہوا کہ عربی سفرناموں اور جغرافیوں میں اور عرب وفارسی ملاحوں کی زبانوں پر جہاز اور متعلقات کے ہندی نام زبانوں پر چڑھ گئے تھے، ان میں سے ایک لفظ "بارجہ" ہے، البیرونی نے بتایا ہے کہ یہ اصل میں ہندی لفظ "بیڑہ" ہے جس کو عرب (بارجہ) کہتے ہیں اور (ہ عربی میں ج سے بدل جاتی ہے) اور اس کی جمع (بوارج) ہندوستانی بحری ڈاکوؤں کو کہنے لگے، نام ور محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے ہند کے نظام ہندسہ کی عربی میں تشریح کی تھی اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ تمام عرب ممالک میں رائج ہوگیا"۔

اس کے علاوہ اور بہت سارے الفاظ عربی زبان میں داخل ہوئے ، بہ طور مثال چند الفاظ پیش ہیں:

قرنفل (لونگ) فلفل (سرخ مرچ) ہیل (الائچی) زنجبیل (ادرک) جائفل (جاپھل) نارجیل (ناریل) لیمون (نیبو) تنبول (تامبول) صندل (چندن) مسک (مشکا) ان کے علاوہ مختلف چیزوں کے نام کا تذکرہ کیا گیا، کچھ عرب علمانے قرآن کا لفظ (طوبی) ہند کا لفظ قرار دیا ہے، ہندوستانی فولاد سے ڈھالی ہوئی تلوار عربی میں ''مہند'' کہلاتی ہے، عرب خوب صورت عورتوں کے نام (ہند) رکھتے تھے اور شعرا فرضی محبوباؤں کو (ہند) کے نام سے یاد کرتے تھے۔

مورخین کا بیان ہے کہ نزول آدم کی جگہ اور قدم کے نشان کو سراندیپ (سری لنکا) کی زبان میں آدم پلے کہا جاتا ہے، اس کے زائرین اور عرب تاجروں سے یہاں کے کیرالا کے راجہ پیرومال نے جب مکہ مکرمہ میں ظہور اسلام کی خبر سنی تو اس نے اسلام قبول کرلیا تھا، انگریزی حکومت کی جانب سے مالابار میں متعینہ کلکٹر (گوپالن نایر) نے مدراس میں محفوظ سرکاری دستاویز کے حوالے سے بھی لکھا ہے کہ کیرالا کے راجہ پیرومال نے ان تاجروں سے معلومات حاصل کرکے اسلام قبول کرلیا اور مکہ مکرمہ جاکر نبی اکرم ﷺ سے شرف ملاقات بھی حاصل کی تھی، یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ واقعہ بعد میں پیش آیا، اس راجہ کی ملاقات حضرت مالک بن دینار سے ہوئی تھی، وہ اپنے چند رفقا کے ساتھ کیرالا آئے تو اسلام و عربی زبان کی ترویج کی مگر راجہ کے اسلام لانے کے بارے میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں، انہیں کیرالا کے ممتاز مورخ شیخ احمد زین الدین مخدوم نے اپنی گراں قدر تصنیف تحفۃ المجاہدین میں ضعیف اور کم زور قرار دیا ہے، دور حاضر کے محقق عالم مولانا اطہر مبارک پوری نے بھی ان روایتوں کے بارے میں اپنی کتاب العقد الثمین صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ صحیح اور درست نہیں ہیں[1] (۶)، کیرالا کے نام سے متعلق بھی متعدد روایتیں ہیں، ایک روایت ڈاکٹر حسین -سی- ایس نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں نقل کی ہے کہ عرب اس علاقہ میں آتے رہتے تھے، انہوں نے یہاں کی زرخیزی، شادابی، پانی اور سبزہ دیکھ کر

[1] معارف: لنکا (ہندوستان) میں ہبوط آدم کے سلسلے کی جو روایتیں مقالہ نگار نے سبحۃ المرجان سے نقل کی ہیں ان کا پایہ بھی کم زور ہے۔

اس کا نام خیر اللہ رکھ دیا تھا جو بعد میں عوام کی بول چال سے کیرالا ہوگیا، اس روایت کی تائید پروفیسر دیران محی الدین فاروقی نے بھی کی ہے۔ (۷)

تاہم یہ یقینی بات ہے کہ عہد قدیم سے عرب و ہند ایک دوسرے سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور ان کے درمیان آمد و رفت بھی تھی، اسی وجہ سے ظہور اسلام کی اطلاع بھی عہد نبوی ہی میں ہندوستان پہنچ گئی تھی اور جنوب میں کیرالا اور مغرب و شمال میں سندھ و گجرات دور اول ہی سے اس سے متعارف ہوگئے تھے اور عرب سیاحوں کے ذریعہ عرب مسلمانوں کو بھی ہمارے اس عزیز ملک کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل ہوگئی تھیں، ابوحنیفہ دینوری نے ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے ایک عرب سیاح سے ہندوستان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے یہ مختصر اور جامع جواب دیا۔

بحرھا درو جبالھا یاقوت و
شجرھا عطر ۔ (۸)

اس کے سمندر موتی، پہاڑ یاقوت اور درخت مشک و عنبر ہیں۔

اسی دوران حضرت صحار عبیدی سندھ و مکران دیکھ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے رپورٹ دی:

ماؤھا وشل و لصُھا بطل و
سھلھا جبل وان کثر الجند
جاعوا وان قلوا ضاعوا ۔ (۹)

اس کا پانی خراب اور وہاں کے چور سینہ زور اور زمین سنگلاخ ہے فوج اگر زیادہ ہوگی تو بھوکی رہے گی اور کم ہوئی تو ضائع ہوگی۔

چنانچہ اسلامی فتوحات کا آغاز امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کے عہد سے پہلے نہ ہوسکا لیکن عرب علما، ادبا اور شعرا مالابار، کیرالا، گجرات و سندھ کے سفر کرکے اسے فیض یاب کرنے لگے تھے، بعض روایتوں کے مطابق ملک کے ساحلی شہروں میں کسی صحابی و تابعی کی آمد بھی ہوئی، (تبع) تابعین میں سے ابوحفص ربیع بن صبیح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ۱۶۰ھ-۷۷۶ میں سندھ آگئے تھے، ان کے بارے میں مولانا غلام علی آزاد، رحمان علی اور نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ وہ برصغیر کے پہلے مسلمان عالم تھے، نیز وہ پہلے مسلمان مصنف تھے جنہوں نے حدیث نبوی پر مشتمل کتاب لکھی، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ پہلے تابعی

ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری ۱۵۹ھ میں گجرات آئے اور یہاں ہی دفن ہوئے، ان کے علاوہ سندھ میں قیام کرنے والوں میں ابومعشر اور ابوعطا افلح سندھی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اول الذکر محدث وسیرت نگار اور دوسرے عربی کے شاعر تھے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسی وقت سے ہندوستان نے اسلامی علوم وفنون اور عربی ادبیات کی خدمات کا آغاز کردیا تھا اور اب تک اس موضوع پر عظیم الشان اور بیش بہا سرمایہ جمع کردیا ہے، اس میں کچھ ایسے مصنفین اور تصنیفات ہیں کہ پورے اسلامی وعربی کتب خانہ میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، ہم اس کی تفصیلات پر روشنی ڈالنے سے پہلے ''ادب'' اور ''عربی ادبیات'' کی تعریف اور اس کا مفہوم مختصر طور سے واضح کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، تاکہ موضوع کے سمجھنے میں آسانی وسہولت رہے۔

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عصر جاہلی میں ادب کا لفظ استعمال نہیں ہوا مگر اسے قطعی نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ جاہلی ادب کا ایک حصہ مورخین تک نہیں پہنچا یا ضائع ہوگیا، تاہم اس کا مفہوم مختلف شعرا کے کلام میں نظر آتا ہے، اسی طرح بعینہ یہ لفظ اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں بھی استعمال نہیں ہوئے ہیں، تاہم اس کے مطالب واضح طور پر نظر آتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے کلام میں یہ لفظ عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے، مثلاً أدبنی ربی فأحسن تأدیبی، وربیت فی بنی سعد وغیرہ میں یہ لفظ تعلیم وتربیت کے معنی میں آیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: (إن هذا القرآن مأدبة الله فی الأرض فتعلموا من مأدبته) ڈاکٹر احمد شائب (اصول النقد الادبی) اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ادب کے مادہ سے مادبہ اسم مکان ہے، اس جملہ میں تمام اصناف ادب تعلیم وتربیت اور تہذیب وثقافت مراد لئے گئے ہیں، اعلا اخلاق، صالح فکر ودانش، نفع بخش مواعظ ونصائح اور تزکیۂ نفس وانسانی تربیت وغیرہ بھی اس میں شامل ہے، تاریخ میں ادب کا لفظ ایک نادر وشاہ کار سنہرے حرف کے طور سے داخل ہوا جس نے تعلیم وتربیت کی فضا وماحول پیدا کردیا، مورخین ادب نے عہد بہ عہد اس کی بہت ساری تعریفیں وتوجیہیں کی ہیں، علامہ ابن خلدون نے ادب کی تعرف کرتے ہوئے لکھا ہے ''اس کا مقصد عرب کے اشعار، حالات وواقعات اور ہر علم سے تھوڑا بہت استفادہ کرنا ہے، مولانا حکیم عبدالحئی حسنیؒ نے اسی مفہوم کی تائید

کرکے اپنی کتاب کا عنوان ''معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف'' رکھا ہے۔ دمشق کی عظیم عربی اکیڈمی نے الثقافة الاسلامیة فی الهند کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا جس کا اردو ترجمہ دارالمصنفین اعظم گڈھ نے ''ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون'' کے نام سے طبع کیا، ڈاکٹر احمد شائب معروف مصری تنقید نگار ہیں، انہوں نے ادب کی جامع تعریف یہ کی ہے ''ادب اس کلام کو کہتے ہیں جو عقل وشعور کی سچی تصویر کشی کرے''۔(۱۰)

عصر حاضر کے زود وبسیار نویس اور صاحب طرز ادیب ڈاکٹر شوقی ضیف مرحوم ادب کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں'' اس کا مخصوص دائرہ شعر اور اصناف ادب ہے جن میں خطابت، امثال، افسانے، ناول، کہانیاں، ڈرامے اور مقامات بھی شامل ہیں اور عام مفہوم میں وہ سب کچھ داخل ہے جو کسی بھی موضوع اور کسی بھی طرز واسلوب پر زبان میں تحریر کیا جائے، خواہ وہ علم ہو، فلسفہ ہو یا خالص ادب ہو، عقل وشعور جس چیز کو بھی پیش کرے اسے ادب کہا جائے گا۔(۱۱)

ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے اسی حوالہ سے ہندوستانی عربی علو وفنون کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتاب کا عنوان (عربی ادبیات میں ہندو پاک کا حصہ) رکھا، ہماری گفتگو کا محور بھی یہی عام مفہوم ہے جس کا دائرہ قدیم سے ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا جدید ومعاصر ادبیات تک وسیع ہوگا انشاءاللہ۔

سطور بالا سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہند وعرب کے تعلقات تجارتی، سیاسی، [illegible] کے پہلو بہ پہلو علمی، ثقافتی، عمرانی اور دینی سطح پر بھی استوار ہوئے، عسکری فتوحات سے پہلے ہی [illegible] علم وفکر اور اصحاب دل نے ساحلی علاقوں میں پہنچ کر عقل وروح اور جسم وجان کو غذا فراہم کرنا شروع کردیا تھا، تعلیمی وتدریسی حلقے اور مجلسیں وخانقاہیں قائم ہوئیں اور ان ہندوستانی درس گاہوں نے ایسی مایہ ناز اور لائق شخصیتیں پیدا کیں جنہوں نے نہ صرف ہند بلکہ بیرون ہند بھی نام وری ومحبوبیت حاصل کی، بہ طور مثال چند نام پیش ہیں:

۱- امام حسن صغانی لاہوری اور ان کی کتاب العباب الزاخر (فن لغت میں) اور مشارق الانوار (فن حدیث میں) دونوں نے علمائے عرب اور امام سیوطی اور ذہبی جیسے ائمہ فن سے خراج تحسین حاصل کیا، مشارق الانوار نصاب درس میں بھی شامل رہی ہے۔

ہندوستان میں عربی ادبیات

۲- شیخ علی حسام الدین متقی برہان پوری (۹۷۵ھ) اوران کی کتاب کنز العمال جو امام سیوطی کی جمع الجوامع کی فصول وابواب کی شکل میں عمدہ ترتیب ہے، حدیث کے طلبہ وعلما کے لئے مرجع ہے، اس کے بارے میں دسویں صدی ہجری کے ایک ممتاز حجازی عالم نے فرمایا ہے "علما پر سیوطی کا احسان ہے اور خود سیوطی پر علی متقی کا کرم ہے"۔

۳- شیخ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) اوران کی لغت ومصطلحات حدیث پر کتاب مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار اوران کی دوسری کتاب تذکرۃ الموضوعات بے حد مقبول ہوئیں، مجمع بحار الانوار کا نیا ایڈیشن معروف صاحب خیر پٹنی تاجر شیخ نورولی مرحوم نے شائع کیا، نورولی صاحب حجاز چلے گئے تھے اور ۲۰۰۴ء میں وفات پائی اور وہاں ہی دفن کیے گئے۔

۴- سلطان اورنگ زیب کی سرپرستی میں مجلس علما کی جس کے سربراہ شیخ نظام الدین برہان پوری تھے، مرتب کردہ فتاوی عالم گیری ہے جسے عربوں نے (فتاوی ہندیہ) کے نام سے یاد کیا اور یہ عرب وہند دونوں میں یکساں طور سے مسائل واحکام کا مرجع رہی، یہ چھ جلدوں میں ہدایہ کے طرز پر مرتب کی گئی، اس کی ترتیب کی مجلس میں شیخ نظام الدین کے ساتھ ۲۴ نامور فقیہ شامل تھے، ان میں حسب ذیل چار قاضی محمد حسین جون پوری محتسب، شیخ علی اکبر حسینی اسد اللہ خانی، شیخ حامد بن ابی حامد جون پوری، مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری کے ذمہ ایک ایک چوتھائی کتاب کی نگرانی سپرد تھی۔

۵- شیخ محب اللہ بن عبد الشکور حنفی بہاری (۱۱۱۹ھ) کی اصول فقہ سے متعلق بلند پایہ کتاب مسلم الثبوت ہے جو ہند وعرب وممالک اسلامیہ کے نصاب درس میں داخل رہی۔

۶- مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۲۰۰ھ) جن کی کتاب کشاف اصطلاحات الفنون ہے، یہ علمی مصطلحات کی عظیم لغت، بحث وتحقیق کے طلبہ اور مصنفوں کا مرجع ہے۔

۷- ملا عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری (۱۲۰۰ھ) اوران کی کتاب دستور العلما یا جامع العلوم چار جلدوں میں ہے، اس کا موضوع بھی وہی ہے جو کشاف کا تھا۔

۸- امام ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) اوران کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ احکام شریعت کے اسرار وحکم اور فلسفہ سے متعلق اپنے موضوع پر منفرد اور بے مثال ہے، عرب وہند میں بارہا طبع

ہوئی اور کئی مصری فضلا نے اس پر تعارف ومقدمہ لکھا، نصاب درس میں بھی اس کے کچھ ابواب شامل کیے گئے، اس کتاب کی ایک امتیازی خصوصیت اس کی رواں وسلیس عربی ہے جو اس تصنع وتکلف سے خالی ہے، قاضی فاضل اور ابوالقاسم حریری کی تقلید اور پیروی میں شاہ صاحب کے دور میں بھی رائج تھا۔

۹- سید مرتضی بن محمد البلگرامی زبیدی (۱۲۰۵ھ) کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کی کتاب "تاج العروس فی شرح القاموس" دس ضخیم جلدوں میں لغوی وعلمی اعتبار سے مستقل کتب خانہ ہے، یہ اپنے مولف کی زندگی ہی میں اتنی مشہور ہوگئی کہ عثمانی خلیفہ اور دوسرے امراو ملوک نے اس کے نسخے طلب کیے، مولف شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد تھے، تاج العروس کے علاوہ بھی ان کی تصنیفات ہیں جن کا ذکر تصنیفات کے بیان میں آئے گا، تاج العروس کا نیا ایڈیشن کویت سے چھپا ہے۔

یہ تو ان نادرۂ روزگار، طباع وذہین اشخاص اور ان کی بے نظیر کتابوں کا صرف ذکر ہے جن کی تصانیف نے اسلامی کتب خانہ میں اضافہ کیا، اسی سیاق میں ان ہندوستانی مصنفین کا ذکر نامناسب ہوگا جو زودنویسی اور تصانیف کی کثرت وتنوع کے لئے پورے عالم اسلام میں مشہور ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی ذات سے انجمن، اکیڈمی اور دائرۃ المعارف تھا:

۱- نواب بھوپال امیر سید صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) کی تصنیفات کتابوں اور چھوٹے بڑے رسالوں کی شکل میں ۳۰۰ تک پہنچتی ہیں، صرف عربی زبان میں ان کی ۵۶ کتابیں ہیں جو متعدد جلدوں پر مشتمل ہیں، مثلاً فتح البیان فی مقاصد القرآن، دس بڑی جلدوں میں، ابجد العلوم، تاج المکلل والبلغۃ فی اصول اللغۃ، والعلم الخفاق من علم الاشتقاق بھی اہم اور کئی جلدوں میں ہیں۔

۲- علامہ وفقیہ ہند مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی (۱۳۱۰ھ) گو کم سنی ہی میں وفات پاگئے تھے مگر ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۱۰ ہے، ان میں سے ۸۶ تصنیفات عربی زبان میں ہیں، ان سب میں مشہور وممتاز السعایۃ فی شرح شرح الوقایۃ، مصباح الدجی، التعلیق الممجد وظفر الامانی اور الفوائد البہیۃ تو آج تک فقہ حنفی میں سب سے بڑا مرجع ومنبع ہے۔

۳- ممتاز مصلح ومربی مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) کی چھوٹی بڑی تصنیفات

کی تعداد ۹۱۰ ہیں جس میں ۱۳ کتابیں عربی زبان میں ہیں۔

ایک ممتاز ہندوستانی عالم علامہ محمود حسن خاں ٹونکی (۱۳۶۶ھ-۱۹۴۷ء) بے حد لائق ستائش ہیں جنھوں نے معجم المصنفین کے عنوان سے ۶۰ جلدوں پر مشتمل کتاب ترتیب دی، اس کے ۲۰ ہزار صفحے ہیں اور ۴۰ ہزار مصنفوں کے حالات تحریر کیے ہیں، ان میں ۲ ہزار ایسے مصنفین کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے جنھوں نے ۱۳۵۰ھ سے معجم کی تکمیل تک کوئی بھی کتاب عربی زبان میں تالیف کی ہے، حکومت حیدرآباد کے صرفہ سے اس کی صرف چار جلدیں بیروت سے شائع ہوسکی ہیں۔

یہ چند مثالیں ممتاز علما و مصنفین اور ان کی نادر کتابوں کی بہ طور نمونہ پیش کی گئی ہیں، آگے دور اول سے آج تک ہند کے مفکرین واصحاب قلم نے عربی ادبیات کے ہر فن میں جو عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا ہے، اس کا تعارف کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ حسنیؒ نے سرزمین ہند میں علمی سرگرمی کے باب میں تحریر کیا ہے:

"ہندوستان میں اسلام خراسان و ماوراء النہر کی سمت سے داخل ہوا، اسی لئے ہند کو علم کی روشنی انہیں ملکوں کے ذریعہ حاصل ہوئی، وہاں کے اہل علم یونانی حکمت وفلسفہ کے خوگر تھے، ان کے پیش نظر فنون نحو، فقہ، اصول وکلام تھے اور وہ ان سارے فنون میں محض مقلد تھے، جب مسلمان ملتان، لاہور و دہلی پہنچے تو یہ سب علوم وفنون کے گہوارے بن گئے، اہل کمال نے بہت فائدے پہنچائے اور گجرات تو بحر بے کنار تھا، وہ تو عہد رفتہ ہی سے علما کا مرکز وقیام گاہ بن چکا تھا، وہاں اہل علم شیراز و یمن سے پہنچے اور ان کے ذریعہ سے اس علاقہ میں علوم و فنون کی دھوم مچ گئی، جون پور، لکھنؤ اور شمالی قصبات بھی بعد میں جنوب ومغرب کی طرح خوب فیض یاب ہوئے"۔(۱۲)

ڈاکٹر زبید احمد پروفیسر ایم اے آرگپ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ہند میں عربی کے علمانے اپنی توجہ متکلمانہ تصانیف پر مرتکز رکھی جس کا کم وبیش دینی علوم ہی سے قریبی تعلق تھا اور خالص ادب بلکہ تاریخ پر بھی خامہ فرسائی بہت کم کی لیکن اس کے

باوجود یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ ان کی تصانیف غیر اہم ہیں یا ان کی اہمیت صرف چند تصانیف ہی تک محدود ہے نہ صرف یہ کہ ان کی تصانیف اسلامی ہند کی سرگرم مذہبی زندگی کے لئے لازمی پس منظر کا کام دیتی ہیں بلکہ ان کا اثر تمام اسلامی دنیا میں براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے محسوس کیا گیا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید مرتضیٰؒ جیسے علما کا حصہ اسلامی دنیا کے جدید فکری رجحانات کی تشکیل میں بنیادی ہے اور مغربی ایشیا کے ممالک پر ہندی تصوف بھی کچھ کم اثر انداز نہیں ہوا ہے"۔(۱۳)

اس سے انکار نہیں کہ عرب وایران کے اولین مصنفین نے تمام علوم وفنون سے متعلق گراں مایہ کتابیں تصنیف کردی تھیں، متون کی شرحیں وحاشیے بھی تحریر کئے جاچکے تھے لیکن ہم نے اوپر چند بلند پایہ علما اور ان کی تصانیف کے جو نمونے پیش کیے ہیں وہ صرف تقلید، اتباع اور پیروی یا شرح کی شرح اور حاشیہ پر حاشیہ نہیں ہیں بلکہ ان میں ابتکار، ابداع اور اضافہ بھی ہے جس سے مسلمانان ہند کا سر بلند ہوتا ہے اور انہیں فخر وانبساط بھی محسوس ہوتا ہے جس کے لئے اکابر عرب و مسلم علما وفضلا کی شہادتیں بھی موجود ہیں، مولانا غلام علی آزاد کو یمن یا عدن کے بادشاہ کی جانب سے "حسان الہند" کا خطاب مدینہ منورہ میں ان کے استاذ کا (آزاد تخلص کو سمجھ لینے کے بعد ارشاد فرمانا: انت یا سیدی من عتقاء اللہ) "جناب والا آپ تو اللہ کے آزاد کردہ ہیں" یا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب کی ایک سے زیادہ عرب فضلا کی جانب سے داد وتحسین، علامہ سید رشید رضا کی جانب سے "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں ہند کے علما کی حدیث نبوی کی خدمات کا اعتراف وتحسین کرنا، عصر حاضر کے ممتاز عالم ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور عظیم ادیب وفقیہ اور البیلے انشاپرداز استاذ علی طنطاوی کا علما ہند مولانا عبدالحیؒ فرنگی، مولانا عبدالحیؒ حسنی، مولانا عبدالعزیز میمنی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بلند الفاظ میں پرزور عقیدت ومحبت سے تذکرہ کرنا، علما ہند کی علمی خدمات کا اعتراف اور خراج تحسین ہی تو ہے۔

عربی زبان وادب سے مانوس وآشنا ہوجانے اور سندھ میں ۹۲ھ سے غزنوی دور تک مسلمان عربوں کے قیام وسربراہی کی وجہ سے طلبہ وعلما کی آمد ورفت خالص علمی وثقافتی اور ادبی مقاصد کے لئے بھی ہونے لگی اور مسجدوں کے ساتھ مدرسے اور حلقات درس بھی قائم ہوگئے،

ان اداروں سے وابستہ بعض طلبہ واساتذہ بصرہ، بغداد اور مدینہ منورہ بھی گئے، تاکہ براہ راست علم حدیث وفقہ حاصل کریں، ان میں سے عمر بن عبداللہ تیمی، اسلم بن زرعہ کلبی اور مفضل بن مہلب ازدی وغیرہ کے سندھ آنے اور یزید بن عبداللہ قریشی ہبیری اور سندھی بصری کا بغداد و بصرہ جانے اور وہاں قیام کرنے کا تذکرہ ملتا ہے، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری تحریر فرماتے ہیں:

"آل ابی معشر نے دوسری صدی سے چوتھی صدی تک مدینہ اور بغداد میں حدیث وسیر اور مغازی میں اپنی امامت کا سکہ چلایا، سندھ کا ایک اور علمی خاندان خراسان میں جا کر آباد ہوا جس نے نسل درنسل علم حدیث میں امامت و سیادت پائی، ان میں ابوبکر محمد بن رجا السندھی نے صحیح مسلم کے طرز پر ایک اہم کتاب "المستخرج علی صحیح مسلم" لکھی تھی، اسی طرح دیبل کا ایک علمی خاندان مدتوں بیت العلم رہا، ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی محدث مکہ (۳۲۲ھ) اور ان کے صاحب زادے ابراہیم نے احادیث کی ترویج و روایت میں نمایاں خدمات انجام دیں"۔ (۱۳)

ان علمی وثقافتی سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان علما نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع کردیا تھا اور عربی دنیا اور ایران وخراسان کے ہی موضوعات ان کے زیر تصنیف رہے، چنانچہ اسی دور سے مندرجہ ذیل موضوعات پر کتابوں کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے:

۱-تفاسیر وعلوم قرآن، ۲-حدیث وعلوم حدیث، ۳-علوم فقہ، ۴-علم الکلام، ۵-تصوف اور اخلاقیات، ۶-فلسفہ، ۷-علم الحساب، ہیئت وطب، ۸-علم اللسان (لغت، بلاغت و عروض)، ۹-تاریخ، سوانح اور جغرافیہ، ۱۰-مرصع نثر، ادب، خطبات، ادبی انتخاب، مکاتیب و رقعہ نویسی، ادبی تصانیف کی شرحیں، قصص وحکایات، ۱۱-شاعری: ممتاز شعرا مسعود بن سعد سلمان لاہوری، ابوعطا سندھی، ہارون بن موسیٰ ملتانی، ابوضلع سندھی، ابراہیم بن سندھی بن شاہق، ابوالفتح محمود بن شاہق (یہ کشاجم وریحانۃ الادب کے لقب سے مشہور تھا)، عطا بن یعقوب غزنوی، حسن صغانی لاہوری، امیر خسرو، (ملک الشعرا)، قاضی عبدالمقتدر شریحی، نصیر الدین چراغ دہلی، احمد تھانیسری، احمد زین الدین مالاباری، مفتی قطب الدین نہروالی، محمد بن عبدالعزیز کالی کٹی۔

ان کے بعد-شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، شاہ احمد شریعی، سید عبدالعزیز بلگرامی، باقر آجاہ۔

ان کے بعد-مولانا فضل حق خیرآبادی، نواب صدیق حسن خان، احمد حسن عرشی، مفتی محمد عباس چریاکوٹی، عبدالجبار خاں آصفی، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا ناصر حسین لکھنوی۔

ان کے بعد-مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا احمد رضا خاں قادری، آخر میں عصر حاضر کے چند شعرا-مولانا عبدالمنان، مفتی کفایت اللہ، مولانا اعزاز علی، ڈاکٹر شفیع الرحمان، ڈاکٹر محمد علیم بختاری، مولانا سید طاہر رضوی قادری اور ڈاکٹر سید جہاں گیر۔

ہند میں عربی شاعری: (صرف اور خالص شاعری) اولین چند شعرا کے علاوہ سب علما وفقہا ہی کی رہین منت رہی ہے، ان میں سے اکثریت ان حضرات کی ہے جن کا کسی نہ کسی موضوع میں اختصاص تھا اور اس موضوع یا اس سے متعلق موضوعات پر ان کی عربی وفارسی میں بلند پایہ تصنیفات تھیں، اپنی ذہانت، طباعی اور اختراعی فکر کی بنا پر اشعار وقصائد بھی موزوں کرلئے امیر خسرو جنہیں بجا طور سے ملک الشعرا کہا گیا ہے، وہ فارسی کے غیر معمولی شاعر تھے، ان کی اعجاز خسروی بے مثال کتاب ہے، اپنی غیر معمولی قادر الکلامی اور مہارت سے عربی میں بھی شعر کہے اور اس میں تنوع، تلون اور ہنرمندی کو نمایاں کیا اور بیک وقت تینوں زبانوں کے الفاظ استعمال کیے جو انہیں کا حصہ تھا۔

علوم وفنون سے متعلق علمانے عہد بہ عہد جو کتابیں تصنیف کیں ان کی تفصیل مولانا عبدالحیٔ حسنی اور ڈاکٹر زبید احمد نے بیان کی ہیں جن میں عام نوعیت کی کتابیں ہیں، مختلف مسالک و نقطہ نظر کی ترجمان ہیں، اصول وقواعد کے مطابق ہیں، چند ایک ایسی کتابیں ہیں جن میں علم وفن کا اظہار مقصود ہے، کچھ بزرگوں کی مولفات کی شرحیں اور حاشیے ہیں اور کچھ کتابوں کی ترتیب، تبویب اور اشاریے مرتب کیے گئے ہیں، چند موضوعات بہ طور مثال پیش ہیں:

تفسیر واصول تفسیر

تبصیر الرحمان وتیسیر المنان: یہ علاء الدین علی مہائمی کی تفسیر ہے جو تفسیر رحمانی

کے نام سے زیادہ مشہور ہے (وفات ۸۳۵ھ-۱۴۳۱ء)، ان کا نوائط قبیلہ سے تعلق تھا جو عرب تھے اور مدینہ منورہ سے حجاج بن یوسف ثقفی کی فوج کشی کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان آگئے تھے، یہ حیدرآباد سے دو جلدوں میں چھپی ہے، سورہ کے نام کی وجہ اور ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ کی سورت کے مطابق اس طرح کی گئی ہے:

بسم اللّٰہ المتجلی باسمائه — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو اپنے نام
وصفاته وافعاله فی الناس — اور صفات واعمال کے ذریعہ ظہور پذیر ہے۔

تفسیر محمدی : شیخ محمد بن احمد ناصر گجراتی (۹۸۲ھ-۱۵۴۷ء)، انہوں نے آیات قرآنی میں باہم ربط کو بیان کیا۔

تفسیر مظہری : قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ-۱۸۱۰ء) نے اس تفسیر کا نام اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں کے نام سے رکھا، قاضی صاحب جلیل القدر عالم تھے، شاہ عبدالعزیز ان کو (بیہقی ہند) کے نام سے یاد کرتے تھے، حنفی نقطہ نظر اس کتاب میں پورے طور سے عیاں ہے، ان کے علاوہ شؤون المنزلات علی متقی (۹۷۵ھ) صاحب کنز العمال اور ترجمۃ الکتاب محب اللہ الہ آبادی (۱۰۵۸ھ-۱۶۴۸ء)، یہ تصوف اور وحدت الوجود کے نظریہ کے مطابق ہیں، مصنف مشہور بزرگ صوفی ابن عربی کے ہم نوا تھے، ان کے نظریہ وحدت الوجود کے نہ صرف حامی بلکہ داعی بھی تھے، انہیں (ابن عربی ہند) کے خطاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

فتح الخبیر بما لابد من حفظه فی علم التفسیر : شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ھ-۱۷۰۲ء/۱۱۷۶ھ-۱۷۶۲ء)، شاہ صاحب کی شخصیت ہمہ جہت تھی، نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ اگر شاہ صاحب دور اول میں پیدا ہوتے تو اس دور کے امام تسلیم کیے جاتے، وفاق بین المذاهب الفقهية کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، یہ کتاب دراصل ان کی عظیم کتاب اصول تفسیر سے متعلق (الفوز الکبیر) کا ایک باب ہے مگر علاحدہ شائع کیا گیا، اس کتاب میں تفسیر قرآن کو حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور متعلقہ احادیث جمع کردی گئی ہیں۔

یہاں دو ایسی تفسیروں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے مصنف عربی زبان پر بے پایاں مہارت رکھتے تھے، اس لئے تفسیر میں اپنی ہنرمندی دکھائی مگر اس کی وجہ سے وہ چیستاں بن گئی۔

سواطع الالہام : ابوالفیض فیضی (۱۰۰۴ھ-۱۵۹۵ء)، بادشاہ اکبر کے دربار میں ملک الشعراء تھا، غیر معمولی ذہین وطباع اور اختراعی ذہن کا مالک تھا، اس نے عربی میں یہ پوری تفسیر لکھی جس میں ایک بھی لفظ نقطہ والا نہیں آیا ہے، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے، اس کے ذیلی عنوانات کو سواطع کہا ہے، سب سواطع مساوی نہیں ہیں، ایک حصہ میں علوم قرآن بیان کیے ہیں اور دوسرے میں تفسیر ہے، اس کے علاوہ اپنے گھرانے، والد اور بھائی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں نقطے نہیں ہیں، اس کی بڑی عجیب وغریب توجیہیں کی ہیں، علامہ شبلی نعمانی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اس تفسیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فیضی کو عربی لٹریچر پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں''۔

جب شغب : عبدالاحد بن امام علی الہ آبادی، اس کتاب کا نام (فیض غیب) بھی ہے، قرآن مجید کے صرف آخری پارہ کی تفسیر ہے، فیضی کے کافی بعد کے عالم ہیں، انہوں نے غالباً فیضی کے مقابلہ میں اپنے جوہر علم اور عربی پر قدرت کا اظہار کیا ہے اور کتاب میں کوئی لفظ ایسا آنے نہیں دیا جو نقطہ سے خالی اور صنعت مہملہ کے برعکس ہو مگر یہ سواطع الالہام سے بھی زیادہ مبہم اور پیچیدہ ہے، اس نام کے معنی (جب: کنواں اور شغب: کے معنی راستہ سے ہٹا ہوا یعنی راستہ سے دور کنواں) مختلف انداز بیان، ہند میں عہد سلطنت اور مغل دور میں مصنفین اور اہل قلم صنائع وبدائع اور تصنع وعبارت آرائی اور چیستاں نویسی کے ایسے عادی ہوگئے تھے کہ اپنی تمام تر گراں قدر صلاحیتیں انہیں چیزوں میں صرف کرتے تھے، ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں:

''برعظیم پاک وہند کے عربی وفارسی ادب کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہندوستانی ذہن کی یہ خصوصیت ہے کہ اہل قلم اپنے مفہوم کے اظہار میں صنائع وبدائع بے جا عبارت آرائی اور تصنع سے بہت کام لیتے ہیں، فارسی ادب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہند کے سب سے بڑے شاعر امیر خسرو کا اسلوب نہایت مصنوعی ہے۔ جس کی مثال ان کی مثنوی قران السعدین اور ان کی تصنیف اعجاز خسروی سے ملتی ہے''۔

ڈاکٹر زبید اور چند فارسی شعرا کی مثال پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ہند میں عربی کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی جو فارسی کو ہوئی، تاہم عربی بھی ہندی ذہن کے اس رجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی"۔(۱۵)

غالباً صرف ہندی ذہن ہی قصوروار نہیں ہے بلکہ اس دور کا عربی وایرانی ذہن بھی اسی (بیماری) میں مبتلا ہوگیا تھا۔

اصول تفسیر میں الفوز الکبیر شاہ ولی اللہ صاحب کی بے حد اہم کتاب ہے، یہ فارسی زبان میں ہے مگر اس کا ترجمہ تین بار عربی میں ہوا ہے، ایک کسی مدراسی فاضل نے کیا، اسی کو پیش نظر رکھ کر کسی پاکستانی عربی داں نے اور آخر میں مولانا سید سلمان حسینی ناظم جامعہ امام احمد بن عرفان شہید نے کیا ہے جو سلیس وشگفتہ عربی میں ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیروں کی شرحیں وحواشی بھی لکھے گئے ہیں جن میں الحاشیۃ علی تفسیر البیضاوی مشہور ہے، یہ تفسیر کی اہم اور درسی کتاب بیضاوی پر حاشیہ ہے اور اس کے شارح بھی ہندوستان کے مایہ ناز مصنف عبدالحکیم سیالکوٹی ہیں جن کی متعدد بلند پایہ تصنیفات ہیں، تفسیر جلالین بھی اہم اور درسی کتاب ہے، اس پر بھی حاشیہ لکھا گیا، محمد علی کربلائی نے بادیہ قطب شاہی کے نام سے آیات قرآنی کا اشاریہ لکھا ہے جو مفید ہے، اسی طرح اس موضوع پر ایک اہم اشاریہ (نجوم الفرقان) کے نام سے مصطفی بن محمد سعید نے لکھا ہے، فن تفسیر اور اس سے متعلقہ علوم پر ۸۳ کتابیں تصنیف کی گئیں جن میں کچھ مخطوطہ ہیں مگر بعض تفسیریں دست یاب نہیں ہیں۔(۱۶)

حدیث نبوی اور اس کے علوم

ہندوستان آنے والے اہل علم میں ابوبکر ربیع بصری تابعی کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، راجح قول کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے حدیثوں کا مجموعہ مرتب کیا، ان کے بعد گجرات اور سندھ میں قرآن وحدیث کے بہ کثرت اور فقہ کے بھی بعض حلقے قائم ہوئے مگر عرب سلطنت کے خاتمہ کے بعد علوم عقلیہ کا دور دورہ ہوگیا، مولانا سید عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں:

"جب سندھ سے عرب حکومت ختم ہوگئی اور غزنوی وغوری بادشاہوں کی حکومتیں مستحکم ہوگئیں اور خراسان وماوراء النہر سے لوگوں کی آمد شروع ہوئی تو علم حدیث کبریت احمر اور عنقا کی طرح ہوگیا اور لوگ شعر وشاعری، فلکیات اور

حساب کے فنون میں منہمک ہوگئے اور دینی علوم میں سے صرف فقہ اور اصول فقہ ہی ان کے زیر درس رہے"۔

مولانا حسنی نے اپنی کتاب میں ایک دل چسپ واقعہ بھی لکھا ہے:

"شیخ نظام الدین بدایونی (حضرت نظام الدین اولیا) کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ سماع" کے عادی تھے، علما کو اس پر سخت اعتراض تھا اور انہوں نے یہ معاملہ غیاث الدین تغلق شاہ وقت کی خدمت میں پیش کیا، بادشاہ نے شیخ اور معاصر علما وفقہا کو مناظرے کے لئے طلب کیا، حضرت نظام الدین اولیا نے سماع کے جواز میں کچھ احادیث پیش کیں، فقہا نے ان احادیث کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں فقہی روایات، حدیث پر مقدم ہیں، دو ایک فقہا نے یہ بھی کہا کہ ہم ان احادیث کو سننا بھی نہیں چاہتے ہیں جن سے شوافع نے استدلال کیا ہے، وہ تو ہمارے مسلک کے دشمن ہیں"۔(۱۷)

پروفیسر خلیق احمد نظامی صوبہ گجرات سے متعلق رقم طراز ہیں:

"یہ علاقہ عربوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا، ۱۵۹ھ میں خلیفہ عباسی نے جو فوج بھیجی تھی، اس میں ابوبکر ربیع بن صبیح البصری بھی شامل تھے، وہ نہ صرف تابعی تھے بلکہ حدیث کی پہلی کتاب انہوں نے ہی تیار کی تھی، ان کے حلقہ تلامذہ میں امام سفیان ثوری، امام عبدالرحمان بن مہدی، امام وکیع بن جراح، امام علی بن عاصم جیسے ائمہ دین شامل تھے، اس طرح گجرات میں علم حدیث کی داغ بیل ایسی مبارک ہستی کے ہاتھوں پڑی جس کے خرمن کمال کے خوشہ چیں اس عہد کے مشاہیر علما تھے، دہلی کا مرکز حدیث گجرات کے بہت بعد منصۂ شہود پر آیا، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ابھی اپنی مسند درس نہیں بچھائی تھی کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا"۔(۱۸)

مسلم سلطنتوں میں فقہی وفلسفیانہ رجحانات کے باوجود علم حدیث کی خدمت ہوئی اور بعد کے محدثین کرام نے تو ہند کو حدیث نبوی کا مرکز بنا کر عرب علما سے بھی خراج تحسین حاصل کیا،

اس عہد کے تصنیف کردہ ۲۲ مجموعوں کا تذکرہ ڈاکٹر زبید احمد نے کیا ہے، یہ مجموعے صحاح اور دوسرے مجموعہ احادیث کی شرحوں، ان کی ترتیب وتہذیب، علوم حدیث کی فرہنگ، چہل احادیث سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ مجموعے کسی ایک مسئلے سے متعلق احادیث کے جو مجموعے مرتب کیے گئے یا اسرار حدیث، روح حدیث، علم اصول حدیث اور اسمائے رجال وغیرہ سے متعلق جو کتابیں تیار ہوئیں ان میں سے چند کا ذکر مثالاً کیا جاتا ہے:

لمعات التنقیح علی مشکاۃ المصابیح: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ-۱۶۴۲ء) بلند پایہ محدث تھے، انہوں نے مشکوۃ کی جو درسی کتاب ہے، شرح کے ساتھ بڑا معلومات افزا مقدمہ لکھا ہے اور شرح میں حنفی فقہ کی پرزور ومدلل حمایت کی ہے، اس کے علاوہ بھی ان کی خدمات ہیں جن کی بنا پر انہیں اولین محدثین میں شمار کیا گیا ہے۔

المسوی: امام ولی اللہ دہلوی، یہ شرح موطا مالک کی ان کی فارسی شرح سے جامع ہے، موطا امام مالک شاہ صاحب کی پسندیدہ کتاب ہے، شرح کے دوران احادیث کی قرآنی آیات سے توثیق وتائید کی ہے، موطا کی ایک شرح شیخ سلام اللہ (۱۱۲۹ھ-۱۷۱۶ء) نے بھی محلی کے نام سے لکھی تھی۔

شرح تراجم ابواب البخاری: یہ صحیح بخاری کے ابواب کی عالمانہ تشریح شاہ ولی اللہ دہلوی کے قلم سے ہے، اس میں تراجم کے اصول کے مطابق نہ ہونے کی بھی نشان دہی کی ہے، اپنے موضوع پر اہم کتاب ہے، بعد میں دوسرے محدثین نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے، ان کے علاوہ کتب حدیث کی اور شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں قابل ذکر المواهب اللطیفه شرح مسند امام ابو حنیفه ہے جسے محمد عابد سندھی نے لکھی، حدیث کی جو کتابیں پہلے مرتب ومدون کی گئی تھیں ہندوستانی علما نے ان کی ازسرنو ترتیب وتہذیب بھی کی ہے، اس طرح کی کتابوں میں مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ حسن صغانی اور کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال شیخ علی متقی بڑی اہم ہیں اور دونوں چھپ گئی ہیں۔

لغت حدیث سے متعلق بحار الانوار شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی اہم تصنیف ہے، مصنف

پٹن (نہروالا) میں (۹۱۴ھ-۱۵۰۸ء) میں پیدا ہوئے، وہ فن حدیث کے معروف اور قد آور عالم تھے، ان کے زمانہ میں مہدوی تحریک نے بہت انتشار پھیلا رکھا تھا، شیخ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی مگر جب کوئی کامیابی نہیں ہوئی تو وہ آگرہ روانہ ہوئے، تاکہ شاہ جہاں گیر سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کریں لیکن راستہ میں اُجین کے مقام پر کسی مہدوی نے شہید کردیا، تدفین پٹن میں ہوئی، شاہ ولی اللہ دہلوی نے حدیث کے کئی مختصر مجموعے مرتب کیے جیسے الاربعین، الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین اور النوادر من الحدیث، موخر الذکر دونوں کتابیں منفرد اور عجیب خصوصیات کی حامل ہیں، ان کی سب سے عظیم الشان کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ہے، جس کا موضوع اسرار دین ہے مگر اس میں احادیث کے اسرار وحکم پر مفید اور اچھے انداز سے منطقی گفتگو بھی کی گئی ہے، اصول حدیث، اسماء الرجال اور موضوعات سے متعلق شیخ حسن صغانی اور عمر النہروالی اور عبدالحق محدث دہلوی کی مفید کتابیں ہیں جو درج ذیل ہیں: الفیض النبوی فی اصول الحدیث، در الصحابۃ فی بیان مواضع وفیات الصحابۃ، اسماء رجال مشکوۃ المصابیح، الرسالہ فی موضوعات الحدیث۔

فقہ وعلوم فقہ

اہل سنت کے چار مشہور مسلک ہیں، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی، ہندوستان میں کثیر تعداد حنفی مسلک کو مانتی ہے، ترکستان، ایران اور افغان میں بھی بہ کثرت حنفی ہیں، ان ممالک میں جب تصنیفی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو علم فقہ اور اس کے متعلقات پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، ہندوستان کے فقہا نے فقہ پر نئے انداز سے غور کرنے کے بجائے انہیں کتابوں کی شرحیں، حاشیے اور خلاصے لکھنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں، ڈاکٹر زبید احمد تحریر کرتے ہیں:

> ''چنانچہ اس برعظیم میں علم فقہ پر عربی میں جو کچھ لکھا گیا اس کی نوعیت اسی طرح کی ہے جیسے پرانی عمارتوں کے ملبے سے نئی عمارتیں تعمیر کی جائیں یا پرانی تعمیروں کی محض نقل کر کے خاکے میں بہت معمولی سی ترمیم کی گئی ہو'' ۔(۱۹)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ فقہ سے متعلق ہند میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں

اپج اور جدت ہو، حالاں کہ اس میں اضافے کی بڑی گنجائش تھی، انہوں نے اس موضوع سے متعلق کتابوں کی اٹھارہ نوعیتیں بتائی ہیں، تنقید فقہ، اصول فقہ، نصابی کتب، مستند کتابوں کی شرحیں، علم فقہ، حنفی فقہ، فتاوی، مختلف فیہ مسائل، شافعی فقہ، مولانا عبدالحئی حسنی لکھتے ہیں:

''اہل ہند زمانہ قدیم سے ہی مذہب ابوحنیفہ پر عمل پیرا ہیں، صرف مدراس، مالابار اور کوکن کے لوگ حجازیوں اور یمنیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے شافعی مسلک پر اب تک عمل کرتے ہیں، ہندوستان میں مالکی و حنبلی مسلک کا کوئی اثر نہیں ہے، البتہ ان مسلکوں سے وابستہ کسی اور ملک کا کوئی شخص اپنے کاروبار یا سیاحت وغیرہ کے لئے یہاں آجاتا ہے تو وہ اپنے مسلک پر عمل کرتا ہے''۔(۲۰)

تنقید فقہ سے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' اہم ہے جس میں اختلاف مسالک کی وضاحت، عمال رسول وصحابہ اور احادیث کی روشنی میں کی ہے، ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید'' بھی شاہ صاحب کی بے نظیر کتاب ہے جس میں اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے، اسی وجہ سے وہ ہر طبقہ کے پیشوا اور اما سمجھے جاتے ہیں۔

مسلم الثبوت : محب اللہ بہاری، یہ اپنے نام کی طرح مسلم ہے جو نصاب تعلیم کی زینت بنی رہی، علما نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں مولانا بحر العلوم بھی تھے، کتاب کے دو حصے ہیں: مبادی و مقاصد، دونوں حصے بے حد مفید بحثوں پر مشتمل ہیں۔

فتاوی : حنفی مسلک کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مجموعہ فتاوی مرتب کیے گئے، ان میں اہم یہ ہیں:

الفتاوی الحمادیة : ابوالفتح رکن بن حسام الدین ناگوری نے نہر والہ (پٹن) کے قاضی حماد الدین کی فرمائش پر اسے مرتب کیا اور ان ہی کے نام معنون کیا، آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی، معتبر کتاب ہے، فتاوی عالم گیری کی ترتیب میں اس سے استفادہ کیا گیا تھا، اس کے علاوہ ابراہیم شاہیہ از شہاب الدین احمد نیز چکن ہندی گجراتی نے بھی فتاوی کی کتاب مرتب کی ہے، ایک کتاب فتاوی جامع البرکات کے نام سے بھی ہے۔

فتاوی عالم گیری یا فتاوی ہندیه : اورنگ زیب عالم گیر کی نگرانی میں ایک مجلس علما

نے اسے مرتب کیا تھا، اس کو اعتبار کے ساتھ عالمی شہرت بھی نصیب ہوئی، پہلے اس کا تذکرہ ہو چکا ہے، ان کے علاوہ فقہی مسائل کی توضیح کے لئے متعدد کتابیں لکھی گئیں، شیخ جلال الدین تھانیسری کی تصنیف (۹۸۲ھ-۱۵۷۴ء) تحقیق اراضی الہند نہایت مفید ہے، فقہ شافعی کی کئی کتابیں تصنیف ہوئی جن میں فقه مخدومی شیخ علی مهانمی لقرة العین اور فتح المعین ضیاء الدین (۹۹۱ھ-۱۵۸۳ء) نے مرتب کی اور مالابار میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

تصوف واخلاقیات

اس موضوع سے متعلق بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں، اس سلسلہ میں بھی ہندوستانی علما کے پیش نظر عرب وخراسان وایران میں مرتبہ تصنیفات رہیں، خصوصاً شیخ ابونصر کی اللمعه، امام قشیری کی الرسالة القشيرية وغیرہ، تاہم خود ہندوستان کے علما یہاں کے مزاج اور آب و ہوا کے زیر اثر اس موضوع سے بہت متاثر ہوئے اور کتابوں کی تصنیف کے علاوہ صوفیا اور ان کی خانقاہوں کے واسطے سے تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفس و دعوت دین کی بہت وسیع پیمانہ پر خدمات انجام دی گئیں مگر اس موضوع کے بارے میں عرب وعجم میں بہت اختلاف رہا ہے، خصوصاً وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر بہ کثرت موافق ومخالف مقالے، رسالے اور کتابیں تصنیف کی گئیں مگر زہد وورع، تقوی اور اخلاقیات، ربانیت وروحانیت کی شکل میں اس کے فیوض وبرکات بہت نمایاں ہیں، ڈاکٹر زبید احمد کے بہ قول اس ادب کا تعلق مسلمان کی باطنی زندگی سے ہے اور یہ اسلام کے جذباتی فلسفہ کا حامل ہے، عہد سلطنت اور مغل دور میں اس پر کم از کم ۲۲ کتابیں مختلف نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں جن میں سے چند کے نام بہ طور مثال پیش ہیں: التحفة المرسلة الی النبی از محمد بن فضل اللہ (۱۰۲۹ھ-۱۶۲۰ء)، مصنف نے اس کتاب میں وحدت الوجود کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد اس کی تفصیلات بیان کی ہیں، مولانا محب اللہ الہ آبادی کی تین کتابیں ہیں: انفاس الخواص، التسوية بين الافادة و القول اور المغالط العامة جو خاصی ضخیم ہے۔

کیرالہ (مالابار) کے عالم جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، زین الدین المعبری کی متصوفانہ شاعری کا ایک مجموعہ هداية الأذكياء الى طريق الأولياء ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ مقصود تک

پہنچنے کے لئے بہترین ذریعہ شریعت، طریقت اور حقیقت ہیں، وہ کہتے ہیں:

ان الطریق شریعة و طریقة وحقیقة فاسمع لها مثلا
فشریعة کسفینة وطریقة کالبحر ثم حقیقة دُرٌ غلا

عقائد، کلام، مناظرہ، فلسفہ اور منطق

یہ سب مستقل بالذات علوم و موضوعات نہیں تھے اور شروع میں ان پر کوئی خاص توجہ بھی نہیں دی گئی لیکن امتداد زمانہ کی وجہ سے اس میں مستقل کتابوں، شرحوں اور حاشیوں کا انبار لگ گیا اور خراسان و ماوراء النہر سے عہد سلطنت اور مغل دور میں اس نے مستقل موضوع کی حیثیت حاصل کرلی جب کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ کے عہد سے یونانی، ہندوستانی اور فارسی کتابوں کے ترجمے کا رواج اس لئے ہوا تھا کہ لوگوں کے علم و واقفیت میں اس سے اضافہ ہو لیکن جب مسلمانوں میں مختلف اعتقادی، کلامی اور فقہی مذاہب اور مکاتب فکر پیدا ہوئے تو انہوں نے کلام، فلسفہ اور منطق کو عہد بہ عہد اتنا عروج بخشا کہ کتاب و سنت اور فقہ، عربی نثر و نظم کو ثانوی درجہ دے دیا گیا، علما و محققین نے اپنی ساری صلاحیتیں اسی پر صرف کیں، خواص ہی نہیں عوام بھی اس سے متاثر ہوئے، اساتذہ و طلبہ فلسفہ و منطق پر پُرزور تقریریں کرتے تھے، اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے کئی دل چسپ واقعات نقل کیے ہیں، ایک واقعہ یہ ہے:

"ایک روز ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ صبح ناشتے کے لئے دسترخوان پر بیٹھا تو دونوں کے درمیان ایک ہی انڈا تھا، باپ نے سوال کیا، بیٹے آج کل کیا پڑھ رہے ہو؟ جواب دیا: ابا جان! میں منطق پڑھ رہا ہوں، باپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا کہ یہ ایسا علم ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس انڈا کو دو ثابت کردوں، باپ نے کہا: ضرور، بیٹے نے جب پرزور استدلال اور جوش بیان کے ساتھ تقریر شروع کی تو باپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، بیٹے کے خاموش ہونے کے بعد باپ نے کہا: یہ انڈا تو میں کھالیتا ہوں، جس دوسرے انڈے کو تم نے ثابت کیا ہے، اسے تم کھالو"۔(۲۱)

ڈاکٹر زبید احمد نے ان علوم کے ممتاز علما کا نام شمار کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"یہ بات قابل افسوس ہے کہ ان علما میں سے کوئی بھی فلسفہ کے پرانے اور پامال راستے سے نہیں ہٹا، نیز یہ کہ پاک و ہند میں کسی اور علم کا اتنا غلط استعمال نہیں کیا گیا جتنا کہ نحو اور منطق کا، یہاں لوگوں نے نحو کی خاطر خالص ادب کو قربان کردیا"۔(۲۲)

اس سے ادب ہی نہیں دوسرے دینی موضوعات بھی متاثر ہوئے، مسلکی کشمکش کی بنا پر جو مناظرے ہوئے ان میں ہمارے ملک کے علما غیر ملکوں کے علما سے بہت آگے نکل گئے تھے، اگر قدرت الٰہی سے شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے صاحب زادگان نے مسند علم وفکر نہ سنبھال لی ہوتی اور دور اول کے طرز پر فکر و دانش اور دعوت و ارشاد کے ورثہ کی تجدید نہ کردی ہوتی تو خدا جانے یہاں کا کیا نقشہ ہوتا۔

دوسرے علوم وفنون کی طرح عقائد و کلام میں بھی بیرون ہند تصنیف کی ہوئی کتابیں پیش نظر رہیں جن میں عقیدہ سے متعلق دو کتابیں اہم تھیں: ۱-العقائد النسفیة نجم الدین ابوحفص عمر نسفی (۵۳۴ھ-۱۰۳۹ء)، ۲-العقائد العضدیة قاضی عضد الدین الایجی (۷۵۶ھ-۱۲۵۵ء)، ان دونوں کی سعد الدین تفتازانی ۷۹۱ھ اور جلال الدین دوانی ۹۰۷ھ نے شرحیں لکھیں اور ملا عبد الحکیم سیال کوٹی نے حواشی لکھے، اسی سلسلہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب العقیدة الحسنة بھی ہے جس کی شرح و ترتیب مولانا محمد اویس ندوی نگرامی استاذ تفسیر دار العلوم ندوة العلما نے دی اور یہ دار العلوم کے نصاب تعلیم میں داخل ہوئی۔

میزان العقائد: شاہ عبد العزیز محدث اور المواقف کی شرح و حواشی عبد الحکیم سیال کوٹی اور حاشیہ میر زاهد اہم کتابیں ہیں، مسلکی مباحث سے متعلق شیخ احمد سرہندی کی فارسی کتاب المقدمة السنیة فی انتصار الفرقة السنیة کی اہمیت کی وجہ سے شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسے اضافہ و تصحیح کے بعد عربی زبان میں منتقل کیا ہے، حجة الله البالغه میں اوامر و نواہی کی متکلمانہ توضیحات کی ہیں، یہ کتاب اپنی قوت استدلال اور جامعیت کے لحاظ سے علم کلام کی بھی کتاب ہے، علامہ شبلیؒ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو دو عظیم و ممتاز علما ابن رشدؒ اور ابن تیمیہؒ کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔

فلسفہ ومنطق کے چند اہم مصنفین اور ان کی تصنیفات کا ذکر بہ طور نمونہ پیش ہے:

ملامحمود جون پوری کی الدوحۃ المیادۃ فی حدیقۃ الصورۃ والمادۃ اور ان ہی کی دوسری تصنیف الحکمۃ البالغۃ، محب اللہ بہاری کی الجوھر الفرد، مولانا فضل حق خیر آبادی کی الھدیۃ السعیدیۃ، فلسفہ سے متعلق ملامحمود جون پوری کی الشمس البازغہ جس کے دوحاشیے بے حد اہم ہیں، حمد اللہ اور ملا نظام الدین، منطق میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مختصر کتاب الدرۃ البھیۃ، محب اللہ بہاری کی سلم العلوم، فضل امام خیر آبادی کی مرقاۃ، یہ اور مزید چند کتابیں نصاب درس میں شامل تھیں۔

علم حساب، ہیئت اور فن طب پر برصغیر ہندو پاک میں کتابیں کم لکھی گئیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ نصاب درس میں ان فنون کا حصہ کم رکھا گیا تھا، ریاضی دانوں میں عصمت اللہ، لطف اللہ اور امام الدین گیارہویں صدی ہجری میں تھے اور مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی کتابیں خلاصۃ الحساب، انوار الخلاصۃ اور اس کی شرح ہیں، فن طب میں شرح قانون و کلیات قانون اور نفیسی کا حاشیہ اور ایک گراں قدر کتاب قرابادین علوی خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فن طب میں اضافہ ہے۔ (باقی)

حواشی

(۱) "سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان" اس کے علاوہ مولانا آزاد نے ہند سے متعلق تفسیر وحدیث کی روایتیں الگ رسالہ میں جمع کی ہیں جس کا عنوان "شمامۃ العنبر فی ما ورد فی الھند من سید البشر (علیہ الصلاۃ والسلام)" ہے اس رسالہ کو ڈاکٹر سید علیم اشرف صاحب نے اپنی تقدیم وتخریج کے ساتھ ترجمہ کر کے شائع کردیا (سری لنکا کے رفیق درس کا واقعہ)۔ (۲) عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۳۲۔ (۳) ایضاً، (ص ۳۲) بحوالہ رائسن میں ہند وعرب کے باہم روابط۔ (۴) بحوالہ پروفیسر شمس تبریز: عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ، ص ۹۔ (۵) عرب وہند کے تعلقات، ص ۶، تاریخ الصلات بین الھند والبلاد العربیۃ (ملخص) ڈاکٹر اسماعیل ندوی۔ (۶) الشعر العربی فی کیرالا، ص ۳۸و۳۹۔ (۷) ایضاً۔ (۸) الاخبار الطوال،

ص ۳۹۶۔ (۹) تاریخ الکامل ابن اثیر، ۳/ ۲۴، بحوالہ پروفیسر شمس تبریز، ص ۱۷۔ (۱۰) اصول النقد الادبی، ص ۱۳۔ (۱۱) تاریخ الادب العربی، ج ۱، ص ۱۰۔ (۱۲) الثقافۃ الاسلامیہ، ص ۹و۱۰۔ (۱۳) عربی ادبیات (مقدمہ)۔ (۱۴) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ۳/ ۳۲۲، دہلی ۱۹۷۶ء۔ (۱۵) عربی ادبیات، ص ۵۴ و ۵۵۔ (۱۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں: پروفیسر سالم قدوائی۔ (۱۷) الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند ص ۱۳۵، ۱۲۔ (۱۸) یادایام مولانا عبدالحی حسنی کا مقدمہ، ص ۱۲، نیز ملاحظہ ہو راقم سطور کا "مجلہ البعث الاسلامی" میں شائع کردہ مقالہ (الشیخ محمد طاھر الفتنی و خدماتہ للحدیث النبوی)۔ (۱۹) تاریخ ادبیات، ص ۸۳۔ (۲۰) الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند، ص ۱۰۳۔ (۲۱) ڈاکٹر زبید احمد، ص ۱۴۴۔ (۲۲) ایضاً، ص ۱۴۳۔

فارم VI

دیکھو رول نمبر ۸

معارف پریس، اعظم گڈھ

نام مقام اشاعت: دارالمصنفین، اعظم گڈھ   پتہ: دارالمصنفین، اعظم گڈھ

نوعیت اشاعت: ماہانہ   نام پبلیشر: ضیاء الدین اصلاحی

نام پرنٹر: ضیاء الدین اصلاحی   اڈیٹر: ضیاء الدین اصلاحی

قومیت: ہندوستانی   قومیت: ہندوستانی

نام وپتہ مالک رسالہ: دارالمصنفین

میں ضیاء الدین اصلاحی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہے، وہ میرے علم ویقین میں صحیح ہیں۔

ضیاء الدین اصلاحی

رسول اللہ ﷺ کا آخری تحریری ہدایت نامہ

از:- جناب لطف الرحمان فاروقی صاحب☆

علاقہ نجران کو عہد رسالت میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، ایک تو وہ اپنی محل وقوع کی وجہ سے بین الاقوامی تجارتی شاہراہ کے مرکز میں واقع تھا جہاں سے تین براعظموں کی جانب تجارتی قافلے جایا کرتے تھے، یہ علاقہ چوں کہ فتح مکہ کے بعد دائرہ اسلام میں آیا، اس لئے رسالت مآب ﷺ نے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے جو دعوتی، ریاستی، عدالتی اور محصولاتی حکمت عملی اختیار فرمائی وہ مسلمانوں کے لئے باعث تقلید ہے۔

نجران کا محل وقوع نجران ایک وادی ہے جو جزیرۃ العرب کے انتہائی جنوب میں واقع یمن کے شمال مشرق میں واقع اس کے صدر مقام صنعاء سے تقریباً ۲۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ وادی یمن کے پہاڑوں سے شروع ہوکر ربع الخالی کی طرف جاتی اور حجاز کی حدود ختم ہونے کے بعد جبل السراۃ کے علاقہ عسیر میں واقع ہے، نجران کا علاقہ آج کل سعودی عرب کا حصہ ہے، عسیر کی پہاڑیاں بہت بلند ہیں اور کہیں کہیں ان پہاڑیوں کی چوٹیاں دس ہزار فٹ تک اونچی ہیں، عسیر کا علاقہ سعودی عرب کا جنوب مغربی صوبہ ہے اور نجران عسیر کے شمال مشرقی حصہ میں ایک مشہور مقام ہے، عہد رسالت میں یہ علاقہ یمن کا حصہ تھا جو اس علاقے العلاقائی کا اہم تجارتی مرکز تھا۔

تجارتی شاہراہ جزیرۃ العرب کے جنوب میں ہونے کی وجہ سے یمن ہندوستان اور افریقی ممالک سے قریب تر ہے، جزیرۃ العرب کے اس جنوبی خطے سے دو اہم تجارتی راستے نکلتے تھے، ایک راستہ مشرقی تھا جس پر تجارتی قافلے مآرب، صنعاء، مکہ مکرمہ، بصرہ اور غزہ سے ہوتے ہوئے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

شام و مصر کے بازاروں میں سامان تجارت لے جاتے تھے اور وہاں سے ان مذکورہ شہروں میں سے ہوتے ہوئے واپس آتے تھے، ان قافلوں کے ذریعہ سے جنوبی جزیرۃ العرب کا مال شمال کے شہروں اور بازاروں میں پہنچتا تھا اور شمالی ملکوں کا مال جنوبی جزیرۃ العرب آتا تھا، شمالی ملکوں کے اموال میں زیادہ تر رومیوں اور مصریوں کی بنائی ہوئی اشیا ہوتی تھیں، مکہ مکرمہ اپنے محل وقوع کی وجہ سے اس ساحلی تجارتی شاہراہ کا سب سے بڑا اسٹیشن تھا، بیت اللہ شریف کے مجاور اور متولی ہونے کی وجہ سے ان تجارتی قافلوں کی حفاظت کرنا بھی اہل مکہ کی ذمہ داری تھی، چنانچہ ان کی معاشی حالت بھی یہاں کے امن و امان اور تجارتی سرگرمیوں پر منحصر تھی، اس شاہراہ پر تجارتی قافلوں کا رواں دواں رہنا ان کی معاش کے لئے انتہائی ضروری تھا، مکہ مکرمہ چوں کہ بے آب و گیاہ سرزمین ہے اس لئے قریش کا ذریعہ آمدنی تجارت ہی تھا، ان کے تجارتی قافلے موسم سرما و گرما میں یمن و شام آتے جاتے تھے، ان کے ذریعہ سے شام کا مال یمن و حضر موت تک اور یمن و حضر موت کا مال شام و مصر تک پہنچتا تھا اور کبھی کبھی ان کے قافلے بحر احمر کے اس پار حبشہ اور کبھی ایران تک بھی چلے جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے بھی دو تجارتی سفر فرمائے تھے اور ایک سفر میں شام کے شہر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے۔

قریش کے ان معمول کے اسفار اور خانہ کعبہ کی برکات کے باعث ان کی معاشی خوش حالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کرنے کی ترغیب دی، سورہ قریش اس سلسلہ کی ایک اہم سورت ہے، ارشاد ربانی ہے:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ، اِلٰفِهِمْ	قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے، جاڑے
رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۔	اور گرمی کے سفر سے ان کے مانوس ہونے کی
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ	وجہ سے، ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی
الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ	عبادت کریں جس نے انہیں بھوک کے سبب سے
وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۔(۱)	کھلایا اور خوف کے سبب سے امن عطا کیا۔

مشرقی راستہ پر تجارت کرنے والے زیادہ تر عمان کے ساحلوں پر رہنے والے لوگ تھے، یہ اپنی بادبانی کشتیوں پر بیٹھ کر ساحل کے ساتھ ساتھ ہندوستان، سری لنکا اور بعض وقت اس

سے بھی آگے جاتے اور وہاں سے مسالے، جواہرات، کھالیں، اسلحے اور چین سے ریشم اور چینی کے برتن وغیرہ حاصل کرکے واپس عمان آتے اور اس کے ساحلوں سے موتی اور اندرون ملک سے گھوڑے اور نجد کی بعض معدنی اشیا لے کر شمال کی جانب بڑھتے اور اَحسا سے ہوتے ہوئے حیرہ پہنچتے اور وہاں سے بادیۃ الشام طے کرکے تدمر آتے، پھر تدمر سے دمشق اور شام کے دوسرے شہروں میں مال پہنچاتے تھے، یہ لوگ اپنے مال کی منتقلی کے سلسلہ میں دریائے دجلہ اور فرات کو بھی استعمال کرتے تھے۔

مغربی راستہ میں تجارت کرنے والے شروع میں یمن کے اہل سبا تھے، انہوں نے تجارت میں سب سے زیادہ کامیابی اور ترقی حاصل کی، حتی کہ اپنے زمانے کی سب سے بڑی تجارتی قوم بن گئے تھے، سبا کے تجارتی قافلے ہندوستان اور مشرقی افریقہ کے ساحل تک جاتے اور وہاں سے سونا، چاندی، ہاتھی دانت، بندر، مور، مختلف مسالے، کافور، زعفران، ریشم اور دیگر تجارتی سامان جمع کرتے اور وطن پہنچ کر حضرموت و یمن کی خصوصی اشیا شامل کرکے یہ قافلے اپنا خشکی کا سفر باقاعدہ طور پر مآرب سے شروع کرتے، جہاں حضرموت کا ظفار یعنی موجودہ جنوب مغربی عمان سے آئے ہوئے تجارتی قافلے شامل ہوجاتے، حضرموت اور یمن میں اعلا درجہ کی خوشبوئیں اور دھات کی بنی ہوئی اشیا مشہور تھیں، اس زمانہ میں حضرموت سے کافی مقدار میں خوشبو برآمد کی جاتی تھی جو عام طور پر مندروں اور عبادت خانوں میں جلانے کے کام آتی تھی۔

یہ تجارتی قافلے حضرموت کے شہر شبوہ سے سفر شروع کرتے اور مآرب سے چل کر بحر احمر کے قریب سے گزرنے والی ساحلی تجارتی شاہراہ سے خشکی کے راستے صنعا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بطرا، بصریٰ اور غزہ وغیرہ جیسے اہم شہروں سے ہوتے ہوئے شام و مصر کے بازاروں میں مال لے جاتے، ان کے علاوہ انہوں نے راستے کے نخلستانوں میں تجارتی اور اقامتی اسٹیشن بنا رکھے تھے جن میں ان کے گودام اور عبادت خانے بھی تھے، بطرا پہنچ کر وہاں کے بازاروں میں یہ مشرقی مال پیش کیا جاتا اور وہاں مغربی اور شمالی ملکوں کا مال بھی آتا تھا، مغربی ممالک کے لوگ مشرقی مال کے زیادہ منتظر اور خواہش مند ہوتے تھے، چنانچہ یہ مال خوب بکتا تھا، وہاں سے لوٹتے ہوئے عرب تاجر مغربی مال اپنے ساتھ لاتے جن میں خاص طور پر زربفت کے کپڑے، قالین،

تیل اور اسلحہ ہوتا تھا، یہ قافلہ شمال میں بطرا کے بعد کبھی بصرا سے ہوتے ہوئے دمشق میں چلا جاتا تھا اور کبھی غزہ سے ہوتے ہوئے مصر کی جانب۔(۲)

نجران کا مقام اسلام سے قبل عیسائیوں کا مرکز تھا، عہد رسالت میں یہاں ۷۳ بستیاں تھیں جن میں ایک لاکھ بیس ہزار قابل جنگ نفوس موجود تھے، آبادی تمام عیسائی تھی (۳)، یہ ایک جمہوری مملکت تھی جو تین سرداروں کے زیر حکم تھی، ایک کا لقب عاقب تھا جس کی حیثیت امیر قوم کی تھی، دوسرے کا لقب سید تھا وہ تمدنی و سیاسی امور کی نگرانی کرتا تھا، تیسرا اُسقف (بشپ) تھا جس کے ذمے مذہبی امور اور تعلیم سے متعلق امور تھے۔(۴)

نجران کی عبادت گاہ

عہد جاہلیت میں نجران میں قبیلہ ہمدان آباد تھا، اس میں اکثریت عیسائی مذہب کے پیروکاروں کی تھی، اس شہر میں ان کا ایک بڑا گرجا بھی تھا، اس کی وجہ سے یہ شہر جزیرۃ العرب میں عیسائیت کا بڑا مرکز تھا، رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے تقریباً سو سال پہلے یمن کے ذونواس نامی ایک بادشاہ نے نجرانیوں کو عیسائیت چھوڑنے اور یہودیت قبول کرنے کا حکم دیا، جب انہوں نے اس بات سے انکار کیا تو اس نے ان کا بڑی بے رحمی سے قتل عام کیا، بڑے بڑے گڑھے کھدواکر ان میں آگ جلائی اور ان کو اس میں زندہ جھونک دیا، مفسرین نے سورۂ بروج میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، زندہ بچ جانے والوں میں کچھ لوگوں نے حبشہ پہنچ کر نجاشی سے مدد طلب کی اور نجاشی نے قیصر روم کی مدد سے ذونواس پر فوج کشی کی، جنگ میں ذونواس کو شکست دے کر اس علاقہ پر حبشی عیسائی بادشاہ نجاشی نے قبضہ کرلیا، اس کے کچھ عشروں کے بعد یہاں کے دو بڑے حبشی افسروں ارياط اور ابراھہ میں جنگ ہوئی تو ابراھہ ارياط کو قتل کرکے یمن کا گورنر بن گیا، اس طرح نجران اس کے زیر تسلط آگیا، ابراھہ ایک دین دار عیسائی تھا، وہ مکہ مکرمہ میں واقع کعبۃ اللہ سے عربوں کی غیر معمولی عقیدت دیکھ کر حسد میں مبتلا ہوا اور عربوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے کعبہ کی طرح نجران میں ایک خوب صورت عظیم الشان عبادت خانہ تعمیر کیا، وہ اس کو کعبہ کہتا اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتا تھا (۵)، عیسائیوں کے بڑے بڑے پیشواؤں نے یہاں ڈیرے ڈال دیے، قرب و جوار میں عیسائیوں کا کوئی بھی مذہبی مرکز اس کا ہم سر نہ تھا جو شخص اس کی حدود میں آجاتا وہ مامون ہوجاتا تھا، اس گرجا سے منسلک جائیداد کی آمدنی دو لاکھ روپے سالانہ تھی،

ابرہہ کی یہ کوشش تھی کہ اہل عرب کعبۃ اللہ کو چھوڑ کر اس کے تعمیر کردہ اس عبادت خانے سے احترام وتقدس کا تعلق قائم کرلیں مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا، کسی عرب نے اس کے بنائے ہوئے عبادت خانے کی توہین کی اور وہاں غلاظت پھیلادی، اس نے اس بہانے سے کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی طاقت کے نشے میں ۵۷۰ یا ۵۷۱ء میں ۶۰ ہزار فوج جس کے ساتھ ۹ یا ۱۳ ہاتھی بھی تھے، خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا مگر کعبہ کو اللہ نے محفوظ رکھا اور اس کی فوج کو ابابیل نامی چھوٹے پرندوں کے ذریعہ کنکریاں مار کر تباہ کردیا، اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے عبرت کے طور پر پیش کیا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ، اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ، تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُولٍ ۔(۶)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو برباد نہیں کردیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا حال یہ کردیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسا۔

رسالت مآب ﷺ کے دعوتی مکتوب

ذی القعدہ ۶ھ مطابق ۶۲۸ء کو مکہ مکرمہ سے ۲۱ کلومیٹر یا ۱۹ میل کے فاصلہ پر واقع حدیبیہ کے مقام پر جو آج کل شمیسیہ کے نام سے موسوم ہے، قریش مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو صلح ہوئی تھی، اس کے مطابق دس سال کے لئے معاہدہ امن طے پایا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ دیگر قبائل اور اقوام کے ساتھ معاملات طے کرنے کا قانونی حق حاصل ہوگیا، یمن سے شام تک جانے والی ساحلی تجارتی شاہراہ پر معمول کے مطابق تجارتی قافلے رواں دواں ہوئے، اس موافق صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی دعوتی سرگرمیاں تیز کردیں اور دیگر اقوام وقبائل تک سرعت سے اسلام کی دعوت عام پہنچائی، متعدد ہم سایہ ممالک کے حکمرانوں، ان کے گورنروں، نائبین اور سرداروں کے نام دعوتی مکتوب ارسال فرمائے، نتیجتاً فتح مکہ تک مسلمانوں کی تعداد میں حیران کن حد تک اضافہ ہوا، حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مطابق ''صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ

اپنے ساتھ ایک ہزار چار سو افراد کو لے کر نکلے تھے مگر جب آپ ﷺ دو سال بعد مکہ فتح کرنے نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار جاں باز تھے'' (۷)، یہ غیر معمولی نتیجہ کس طرح برآمد ہوا، اس کا جواب حضرت زہریؒ کے مطابق یہ ہے:

صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام کو اتنی بڑی کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی، جہاں بھی مسلمان اور کفار قریش ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے جنگ ہوکر رہتی تھی لیکن جب یہ مصالحت ہوئی تو جنگ روک دی گئی، لوگ ایک دوسرے سے مامون ہوگئے اور میل ملاپ اور ملاقات کرنے لگے، باہم گفت وشنید اور تبادلۂ خیالات ہونے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام کے بارے میں بات کرتا اور اس کی سمجھ میں کوئی چیز آجاتی تو وہ اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، اس سے پہلے مسلمانوں کی جو تعداد تھی، اس کے مساوی یا ان سے بھی زیادہ لوگ ان دو برسوں میں اسلام میں داخل ہوئے۔(۸)

تاریخ نے آپ ﷺ سے منسوب ڈھائی تین سو خطوط اور معاہدے محفوظ رکھے ہیں۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے اسقف نجران کے نام بھی ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا، مسلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''سورۂ طس قرآن'' میں نازل ہونے سے پیشتر اسقف نجران کو نامہ مبارک لکھا، اس کی عبارت یہ تھی:

بسم اله ابراهيم واسحاق ويعقوب من محمد النبي رسول الله الى اسقف نجران اسلم تسلم فانى احمد اليكم اله ابراهيم واسحاق ويعقوب اما بعد فانى ادعوكم الى عبادة الله من عبادة العباد وادعوكم الى ولاية الله من ولاية العباد

شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے خدا کے نام سے، یہ خط ہے محمد کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں، نجران کے سردار اسقف کی طرف، میں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے حمد وثنا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کا معبود ہے، پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت

فان ابیتم فالجزیۃ فان ابیتم فقد اذنتکم بحرب والسلام۔ (۹)

کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آؤ اور بندوں کی ولایت کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آجاؤ، اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو، اگر اس سے بھی انکار ہو تو تم سے لڑائی کا اعلان ہے، والسلام۔

جب یہ خط اسقف کو پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر بڑا گھبرایا اور کانپنے لگا اور قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھنے والے شرحبیل بن وداعہ کو بلوایا جو سلطنت کا مشیر بھی تھا، اس کو خط دیا، اس نے پڑھا تو اسقف نے اس کی رائے پوچھی اور دیگر مشیروں کو بھی جمع کیا، سب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ''حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے، کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو''۔

امر نبوت کے بارے میں ہر ایک نے رائے دینے سے اپنے آپ کو قاصر ظاہر کیا تو ہر طرف عام منادی کرادی گئی، جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور ان کی رائے پوچھی تو تمام عقل مندوں نے یہ رائے دی کہ شرحبیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرحبیل اصبحی اور جبار بن قیص حارثی کو بہ طور وفد بھیجا جائے، چنانچہ یہ وفد روانہ ہو کر مدینہ پہنچا، انہوں نے سفری لباس اتار کر منقش سے بنے ہوئے لمبے ریشمی حلے پہنے، سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈالیں، اپنی چادروں کے پلے تھامے اور دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

دربار رسالت میں نجران کے عیسائی وفد کی آمد

رمضان ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور قریش کا حلیف اور طائف کا بااثر قبیلہ بنی ثقیف مفتوح ہوا تو تمام اہل عرب کو یقین ہو گیا کہ اب جزیرۃ العرب کا مستقبل محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہے، عرب کے مختلف گوشوں سے آپ کے پاس وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، یہ سلسلہ دسویں ہجری تک جاری رہا اور اس دوران ۱۰۹ وفود دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اس سلسلہ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک ۴۰ رکنی وفد بھی دربار رسالت مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔

یہ وفد اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ عصر کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے، ارکان

وفد انتہائی نفیس لباس پہنے اور خوب صورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے اور بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔

اصحاب رسول ﷺ کے مطابق ان کے بعد ان جیسا شان و شوکت والا کوئی اور وفد نہیں آیا (۱۰)، جب ان کی نماز کا وقت آگیا تو آپ ﷺ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے مسجد نبوی میں ہی اپنے طریقے کے مطابق نماز ادا کی، اس موقع پر وفد کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے دعوت توحید پیش کی اور سلسلہ نبوت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت عیسیؑ اور دوسرے غلط تصورات کو باطل ثابت فرمایا، اس دعوت سے بعض لوگ متاثر ہوئے مگر ان کے سرداروں، اسقفوں اور پادریوں کی ہٹ دھرمی ان کی راہ میں رکاوٹ بنی، اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعوت مباہلہ دی کہ اگر تمہیں اپنے عقیدے کی صداقت کا پورا یقین ہے تو آؤ ہمارے ساتھ مل کر اللہ سے دعا کرو کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو، چوں کہ ان کو یقین تھا کہ آپ ﷺ حق پر ہیں اس لئے وہ اس پر تیار نہیں ہوئے، یہ بات قرآن مجید میں یوں بیان ہوئی:

اِنَّ مَثَلَ عِیسٰی عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ ، خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ، اَلۡحَقُّ مِن رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ، فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ، اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ، وَمَا مِنۡ اِلٰہٍ

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا، اصل حقیقت یہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں، یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کریں تو اے محمد ان سے کہو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو جمع کریں تم اپنی عورتوں کو جمع کرو، ہم اپنے کو اکٹھا کریں، تم اپنے کو اکٹھا

الاَّ اللّٰہ وَاِنَّ اللّٰہ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۔(۱۱)

کرو پھر ہم مل کر اللہ سے دعا کریں اور جھوٹوں پر لعنت بھیجیں، یہی سچا بیان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور وہ اللہ ہی کی ہستی ہے جس کی طاقت سب سے بالا اور جس کی حکمت نظام عالم میں کارفرما ہے، پس اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کے حال سے واقف ہے۔

مباہلہ کی تعریف مباہلہ کی تعریف مفتی محمد شفیع صاحب نے یوں کی ہے:

اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے، کیوں کہ لعنت کے معنی رحمت حق سے بعید ہو جانا ہے اور رحمت سے بعید ہونا قہر سے قریب ہونا ہے، پس حاصل معنی یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہو گا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعیینِ صادق و کاذب منکرین کے نزدیک بھی واضح ہو جائے گی، اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں اور اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔(۱۲)

بالآخر ان لوگوں نے آپ ﷺ سے ایک معاہدہ کیا جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق یوں ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما كتب محمد النبى رسول الله (ﷺ) لأهل نجران: إذ كان عليهم حكمه فى كل ثمرة، وفى كل صفراء و بيضاء، و رقيق، فأفضل ذلك عليهم، وترك ذلك كلّه لهم، على ألفى حُلّة من حُلل الأواقى، فى كل رجب ألف حلة، وفى كل صفر ألف حلة، مع كل حلة أوقية من الفضة، فما زادت على الخراج، أو

نقصت عن الأواقى فبالحساب، وما قضوا من دروع أو خيل أو ركاب أو عروض أخذ منهم بالحساب، وعلى نجران مؤنة رُسُلى، ومتعتهم، ما بين عشرين يوما فما دون ذلك، ولا تحبس رسلى فوق شهر.

وعليهم عارية، ثلاثين درعا، وثلاثين فرسا وثلاثين بعيرا، إذا كان كيد باليمن ومعرّة، وما هلك مما أعاروا رسلى، من دروع أو خيل أو ركاب أو عروض، فهو ضمين على رسلى، حتى يؤدُّوه إليهم.

ولنجران وحاشيتها جوار الله و ذمة محمد النبى رسول الله على أموالهم وأنفسهم وملتهم وغائبهم وشاهدهم، وعشيرتهم وبيعهم وكل ما تحت أيديهم من قليل أو كثير، لا يغير أسقف من أسقفيته، ولا راهب من رهبانيته ولا كاهن من كهانته، وليس عليهم دنية ولا دم جاهلية ولا يحشرون ولا يعشرون ولا يطأ أرضهم جيش، ومن سأل منهم حقاً، فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين.

ومن أكل رباً من ذى قبل، فذمتى منه بريئة ولا يؤخذ رجل منهم بظلم آخر وعلى ما فى هذا الكتاب جوار الله، وذمة محمد النبى رسول الله، حتى يأتى الله بأمره، ما نصحوا وأصلحوا ما عليهم غير مثقلين بظلم.

شهد أبو سفيان بن حرب وغيلان بن عمرو ومالك بن عوف من بنى النصر والأقرع بن حابس الحنظلى والمغيرة بن شعبة.

وكتب لهم هذا الكتاب عبد الله بن أبى بكر (وقال يحى بن آدم: وقد رأيت كتابا فى أيدى النجرانين، كانت نسخته، شبيهة بهذه النسخة وفى أسفله: وكتب على بن أبو (كذا) طالب ولا أدرى ماذا أقول فيه ـ(۱۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کا یہ معاہدہ اہل نجران کے لئے ہے۔

۱- اگر چہ محمد النبی کو ان کی پیداوار، سونے، چاندی، اسلحہ اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی مگر اس نے ان لوگوں کے ساتھ فیاضی برتی اور یہ سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حلے سالانہ مقرر کیے، ایک ہزار رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں۔

۲- ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ کا ہوگا وہ قیمت کے لحاظ سے محسوب کرلیا جائے گا۔

۳- اگر حلوں کے بدلے میں زرہوں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ ادا کریں گے تو قیمت کے حساب سے اس کو بھی قبول کرلیا جائے گا۔

۴- اہل نجران پر میرے کارندوں کے ٹھیرانے کا انتظام لازم ہوگا مگر انہیں ایک مہینے کے اندر اندر محاصل ادا کردینے ہوں گے، اس سے زیادہ ان کو روکا نہ جائے گا۔

۵- اگر یمن میں بغاوت کی وجہ سے ہمیں جنگ کرنی ہوگی تو اہل نجران کو ۳۰ زرہیں، ۳۰ گھوڑے اور ۳۰ اونٹ عاریۃً دینے ہوں گے، ان میں جو جانور ضائع ہوجائیں گے، اہل نجران کو ان کا بدل دیا جائے گا۔

۶- نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمین، ان کی جائدادیں، ان کے جانور، ان کے حاضر و غائب، ان کے قاصد اور ان کی عبادت گاہیں اللہ کی پناہ اور اللہ کے رسولؐ کی حفاظت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی، نہ ان کے حقوق میں کسی قسم کی دست اندازی ہوگی اور نہ ان کے اصنام مسخ کیے جائیں گے، کوئی اسقف، کوئی راہب اور کوئی کاہن اپنے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا، اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا۔

۷- اہل نجران سے ان کے کسی سابقہ جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی خدمت کے لئے ان کو مجبور کیا جائے گا، نہ ان پر کوئی عشر قائم کیا جائے گا اور نہ کوئی لشکر ان کے

علاقے میں داخل ہوسکے گا۔

۸- اگر اہل نجران سے کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان انصاف کیا جائے گا، نہ ان پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ انہیں کسی دوسرے پر ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۹- اہل نجران میں سے اس معاہدے کے بعد جو سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

۱۰- اہل نجران میں کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا۔

۱۱- اس معاہدے میں جو کچھ تحریر ہے، اس کے لئے اللہ اور محمد النبیؐ کی ضمانت ہے جب تک کہ اس بارے میں کوئی حکم الٰہی نہ آجائے اور جب تک اہل نجران وفادار رہیں گے اور ان شرائط کے پابند رہیں گے جو ان سے کی گئی ہیں، الا یہ کہ کوئی ظلم سے کسی بات پر انہیں مجبور کردے۔(۱۴)

اس معاہدے پر ۱-ابوسفیان بن حرب، ۲-غیلان بن عمرو، ۳-مالک بن عوف از بنی نصر، ۴-اقرع بن حابس حنظلی، ۵-مغیرہ بن شعبہ گواہ ہوئے اور اس معاہدے کی تحریر عبداللہ ابن ابوبکر نے تحریر کی۔

یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں، یہ فرمان میں نے نجرانیوں کے ہاں دیکھا، انداز تحریر میری تحریر کا سا اور محرر کا نام علی بن ابو طالب تھا، عربی نحو کے طریق پر ابی طالب کے بجائے ابو طالب لکھنے پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یہ معاہدہ ایک فاتح اور غالب قوم کی طرف سے مفتوح و مغلوب قوم کے حقوق اور ان کے عقیدہ و مذہبی آزادی کے تحفظ و احترام کی ایک اعلاترین ضمانت اور مذہبی رواداری کی قابل تقلید مثال ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی ہے، اللہ اور رسولؐ کی ضمانت پر قائم رہنا ہر مسلمان پر لازم ہوگیا ہے، چنانچہ ایک سچا مسلمان کبھی بھی اسلامی احکام سے روگردانی نہیں کرتا اور نہ قرآن و سنت رسول میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرتا ہے نہ کمی یا ترمیم۔

نجران میں بنی حارث بن کعب کا قبول اسلام

نجران میں بنی حارث بن کعب نامی قبیلہ آباد تھا، یہ قوم انتہائی بہادر اور شکل و شباہت میں ہندوستانیوں سے مشابہت رکھتی تھی، رسول اللہ ﷺ

نے ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ مطابق جولائی یا اگست ۶۳۱ء کو حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا، آپ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ بنو حارث کے ساتھ قتال سے پہلے تین دن تک ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو اس کو تسلیم کرلینا اور اگر وہ تمہاری دعوت پر لبیک نہ کہیں تو جا کر ان سے جنگ کرنا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنو الحارث کے علاقے میں پہنچ کر اپنے سواروں کو ہر طرف دوڑایا، وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور کہتے تھے ”لوگو! اسلام لے آؤ تو مامون ہو جاؤ گے“ لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام قبول کرلیا، حضرت خالد بن ولیدؓ آپؐ کی ہدایت پر وہیں مقیم ہوگئے اور لوگوں کو اسلام اور کتاب اللہ کی تعلیم دینے لگے (۱۵)، انہوں نے رسول اللہؐ کو ایک خط لکھ کر حالات سے آگاہ کیا اور آپؐ کی طرف سے اگلا حکم ملنے کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا خط

آپ ﷺ کے نام اس خط کو ابن ہشام اور الطبری نے نقل کیا ہے، خط یوں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم لمحمد النبی رسول اللہ ﷺ من خالد بن الولید السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو اما بعد یا رسول اللہ صلی اللہ علیک فانک بعثتنی الی بنی الحارث بن کعب وامرتنی اذا اتیتھم ألا اقاتلھم ثلاثۃ ایام وان ادعوھم الی الاسلام فان اسلموا قبلت منھم وعلمتھم معالم الاسلام وکتاب اللہ وسنۃ نبیہ وان لم یسلموا قاتلتھم وانی قدمت علیھم فدعوتھم الی الاسلام ثلاث ایام کما امرنی رسول اللہ ﷺ وبعثت فیھم رکبانا یا بنی الحارث اسلموا تسلموا فاسلموا ولم یقاتلوا وانا مقیم بین اظھرھم وآمرھم بما آمرھم اللہ بہ وانھاھم عما نھاھم اللہ عنہ واعلمھم معالم الاسلام وسنۃ النبی ﷺ حتی یکتب الی رسول اللہ والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔(۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالد بن ولیدؓ کی جانب سے نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے، یا رسول اللہ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں آپ کے سامنے اس خدائے واحد کی حمد وثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی ہستی قابل پرستش نہیں، امابعد، اے رسول اللہ ﷺ آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، آپ نے مجھے بنو الحارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور ہدایت فرمائی تھی کہ میں وہاں پہنچنے کے بعد تین دن تک ان سے جنگ نہ کروں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں، اگر وہ اسلام لے آئیں تو میں ان کا اسلام تسلیم کرلوں اور اسلام کی تعلیمات، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سکھاؤں اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو میں ان سے جنگ کروں، میں یہاں آیا اور تین دن تک اسلام کی دعوت دی جیسا کہ اللہ کے رسول نے مجھے حکم دیا تھا اور ان میں سوار بھیجے جو یہ آواز لگاتے تھے کہ ”بنو الحارث! اسلام لے آؤ مامون ہو جاؤ گے“، پس وہ اسلام لے آئے اور جنگ و مقابلہ نہیں کیا اور اب میں ان کے درمیان مقیم ہوں، وہی حکم دیتا ہوں جس کا حکم انہیں اللہ دیتا ہے اور انہیں ان چیزوں سے روکتا اور منع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا اور منع کیا ہے اور میں انہیں اسلام اور سنت نبوی کی تعلیم دے رہا ہوں، یہاں تک کہ اللہ کے رسول مجھے لکھیں، والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس مکتوب سے جو باتیں واضح ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام کی دعوت عام کئے بغیر کسی سے جنگ نہ کی جائے اور دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت میں صرف قرآن کریم، سنت رسول اور حدیث ہی کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کو صرف اللہ کی طرف بلایا جائے اور دعوت کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا جوابی خط

حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس خط کے جواب میں آپؐ نے جو خط تحریر کیا وہ بھی مورخین و محدثین نے نقل کیا ہے، طبری کے مطابق آپؐ کا مکتوب مبارک یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد النبی رسول اللہ الی خالد بن ولید سلام علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الہ الا ھو اما بعد فان کتابک جاءنی مع رسلک بخبر ان بنی الحارث قد اسلموا قبل

ان یقا تلوا و اجابوا الی ما دعو تھم الیه من الاسلام و شھادۃ ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له و ان محمدا عبده و رسوله و ان قد ھدا ھم اللّٰه بھدا ہ فبشرھم و انذ رھم و اقبل و لیقبل معک وفد ھم والسلام علیک ورحمۃ اللّٰه وبرکاته ۔(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، رسول اللہ محمد النبیؐ کی جانب سے خالد بن ولیدؓ کے نام، سلام علیک، میں تمہارے سامنے اس خدا کی حمد وثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی ہستی قابل عبادت نہیں۔

اما بعد، تمہارا مکتوب قاصد کے ہاتھ میرے پاس اس خبر کے ساتھ پہنچا کہ بنوالحارث بن کعب نے قبل اس کے کہ تم ان سے جنگ کرو، اسلام قبول کرلیا ہے اور تم نے انہیں اسلام کی جو دعوت دی تھی، اس پر انہوں نے لبیک کہا ہے اور اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ اللہ واحد کے سوا اور کوئی ہستی قابل عبادت نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہدایت کا راستہ دکھایا ہے، پس انہیں خوش خبری پہنچاؤ اور (گناہوں کے نتائج سے) ڈراؤ، اب تم واپس آجاؤ اور تمہارے ساتھ بنوالحارث بن کعب کا وفد بھی آنا چاہیے، والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رسول اللہ ﷺ کا خط ملتے ہی حضرت خالد بن ولید بنوالحارث کعب کے وفد کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، یہ وفد حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا: ۱-قیس بن حصین بن یزید بن قنان ذی الغصہ، ۲-یزید بن عبدالمدان، ۳-یزید بن محجل، ۴-عبداللہ بن قیرنط الزیادی، ۵-شداد بن عبداللہ القنانی، ۶-عمرو بن عبداللہ الضبابی۔(۱۸)

بنوالحارث کے وفد سے آپ ﷺ کی گفتگو بنوالحارث کا یہ وفد آپؐ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: ”من ھؤلاء القوم الذین کانھم رجال الھند“ یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح معلوم ہورہے ہیں، انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا: ”یارسول اللہؐ! یہ لوگ بنوالحارث بن کعب کے ہیں“ جب یہ لوگ رسول اللہؐ کے سامنے آکر رکے تو آپؐ کو سلام کیا اور کہا نشھد انک رسول اللّٰه انه لا اله الا اللّٰه ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، آپؐ نے

فرمایا: ”اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، پھر آپؐ نے فرمایا، تم وہ لوگ ہو جنہیں جب للکارا جاتا تو پیش قدمی کرکے جرأت سے مقابلہ کرتے“ اس پر اہل وفد خاموش رہے اور کسی نے اس کا جواب نہ دیا، آپؐ نے دوبارہ اس جملے کا اعادہ فرمایا، اس مرتبہ بھی کسی نے جواب نہ دیا، آپؐ نے تیسری مرتبہ بھی یہ جملہ لوٹایا، اس مرتبہ بھی کسی نے جواب نہ دیا، جب چوتھی بار آپؐ نے یہ فرمایا تو یزید بن عبدالمدران بولے: ہاں رسول اللہ! ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اگر للکارا جاتا تو پیش قدمی کرکے جرأت سے مقابلہ کرتے، یزید نے یہ جملہ چار مرتبہ کہا، رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر خالد مجھے یہ نہ لکھتے کہ تم اسلام لے آئے ہو اور تم نے قتال نہیں کیا تو میں تمہارے سروں کو تمہارے قدموں کے نیچے بچھا دیتا، یزید بن عبد المدان نے کہا، اللہ کی قسم! نہ ہم نے آپؐ کی حمد وثنا کی اور نہ خالد کی، آپؐ نے پوچھا، پھر کس کی حمد وثنا کی؟ انہوں نے جواب دیا: ہم نے اس اللہ عز وجل کی حمد وثنا کی ہے جس نے ہمیں آپؐ کے ذریعہ سے ہدایت دی یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے، پھر رسول اللہؐ نے پوچھا ”جاہلیت کے دور میں جو لوگ تم سے جنگ کرتے تھے ان پر تم غلبہ کیوں کر حاصل کرلیتے تھے“ انہوں نے جواب میں کہا ”ہم تو کسی پر غلبہ حاصل نہیں کرتے“ آپ نے فرمایا ”کیوں نہیں، جو لوگ تم سے جنگ وقتال کرتے تھے ان پر تم غلبہ حاصل کرلیتے تھے“، اب انہوں نے کہا: یارسول اللہ! جو ہم سے جنگ کرتے تھے ہم ان پر غلبہ حاصل کرلیتے تھے، یارسول اللہ! ہم لوگ متحد ہوجاتے تھے اور ہم میں تفرقہ بالکل نہ ہوتا تھا اور ہم کسی پر ظلم کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے، آپؐ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، یوں اس مکالمہ میں رسول اللہؐ نے آپس کے اتفاق واتحاد کے ناقابل تسخیر ہونے کو واضح فرمایا۔

اب رسول اللہؐ نے بنوحارث بن کعب پر قیس بن حصن کو امیر مقرر فرمایا، یہ وفد شوال یا ذی قعدہ کی ابتدا میں اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور اس کے چار ماہ بعد آپؐ انتقال فرماگئے۔(۱۹)

اس وفد کے واپس جانے کے بعد رسول اللہؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو بنوالحارث بن کعب کی طرف معلم وعامل بنا کر بھیجتے ہوئے جو تحریری ہدایات دیں، وہ بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

عمرو بن حزمؓ حضرت عمرو بن حزم انصاری خزرجی، بنونجار سے تعلق رکھتے تھے، ان کی

کنیت ابوضحاک ہے، غزوہ خندق میں شریک ہوئے، رسول اللہؐ کے ان نوجوان صحابیوں میں سے ہیں جن کے جوہر قابل کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے نوعمری ہی میں بڑی اہم ذمہ داریوں پر مامور فرمایا، ان کی عمر ابھی محض ۱۷ سال تھی کہ ان کو سفارتی ذمہ داریوں پر مقرر کیا گیا، چنانچہ نجران کے علاقہ میں آپؐ نے ان کو عامل (حاکم)، محصل (ریونیو افسر) اور معلم (مبلغ و مربی) کی حیثیت سے بھیجا، انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت مدینہ میں وفات پائی۔

آپؐ نے اپنی وفات سے صرف چار ماہ قبل ان کو نجران (یمن) میں گورنر مقرر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب کے قلم سے جو تحریری ہدایات دی تھیں، ان کو امام ابوجعفر دیبلی سندھی (م۳۲۲ھ) نے "مکاتیب النبی ﷺ" کے نام سے اپنے ایک مجموعہ میں شامل کیا ہے، یہ ہدایت نامہ حضرت عمر بن حزم کے خاندان میں محفوظ چلا آرہا تھا، حضرت عمرو بن حزم کے انتقال کے بعد یہ تحریر ان کے پوتے قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم کے پاس رہی، حضرت عمر نے اس دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ ایک بڑا کام یہ کیا کہ ۲۱ دوسرے مکاتیب نبوی جو بنی عادیا بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبائل جہینیہ وجذام وطے وثقیف وغیرہ کے نام تھے، حاصل کر کے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا، یہ کتاب عہد رسالت کی سیاسی و سرکاری دستاویزوں کا اولین مجموعہ قرار دی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن طولون نے اپنی کتاب "اعلام السائلین" میں امام ابوجعفر دیبلی کے پورے مجموعہ کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں عمرو بن حزمؓ کے پوتے قاضی ابوبکرؒ کو تدوین حدیث کے کام پر مامور کیا تھا، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو صدقات کے بارے میں احکام نبوی کی تلاش ہوئی تو ان ہی کی دستاویز سے رجوع کیا گیا۔ (۲۰)

حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام رسول اللہ ﷺ کا یہ ہدایت نامہ بہت معمولی فرق کے ساتھ احادیث اور تاریخ کی اکثر کتابوں میں محفوظ ہے، اس میں فرائض، سنن، صدقات اور دیات کی تفصیلات ہیں، تاریخ طبری کے حوالے سے اس تاریخی دستاویز کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام آنحضرت ﷺ کے اس ہدایت نامہ کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

۱- حجۃ الوداع سے صرف چند ماہ قبل آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایات تحریری صورت میں جاری فرمائی تھیں، اس لحاظ سے یہ آنحضرت ﷺ کی آخری تحریری ہدایات ہیں، واقدی کے مطابق حضرت عمرو بن حزمؓ نجران میں ہی تھے کہ حضور ﷺ انتقال فرماگئے۔

۲- یہ بہت مستند ہیں، تحریر اور زبانی سند کے لحاظ سے یہ قطعی طور پر حضور ﷺ کی جاری کردہ ہدایات ہیں جن کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔

۳- یہ ہدایات ایک سندھی (پاکستانی) محدث امام ابوجعفر دیبلی کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں۔

۴- ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی حاکم کی نگاہ میں کن امور کو اولیت حاصل ہونی چاہیے، نیز حاکم کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے۔

۵- اس تحریر میں اسلام کے فرائض، پیداوار پر عشر کی مقدار، مویشیوں کی زکوۃ کا نصاب اور دین کے دیگر ضروری مسائل پر ہدایات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

هٰذا بیان من اللّٰه ورسوله یآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو عہد و پیمان کو پورا کرو"۔ (القرآن۔ مائدہ:۱)

عقد من محمد النبی (ﷺ) لعمرو ابن حزم حین بعثه الی الیمن۔

عمرو بن حزم کو یمن بھیجنے کے موقع پر محمد نبی (ﷺ) کی جانب سے یہ ہدایات ان کو دی جارہی ہیں۔

۱- امره بتقوی اللّٰه فی امره كله " ان اللّٰه مع الذین اتقوا والذین هم محسنون "۔

وہ اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ (عمرو بن حزم) اپنے معاملات وانتظام میں اللہ سے ڈرتا ہے، کیوں کہ "اللہ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈریں اور جو خوبی کے ساتھ اپنے کام انجام دیں"۔ (القرآن)

۲- وامرہ ان یاخذ الحق کما امرہ اللہ۔

اور وہ اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ (حکومت کے) واجبات اسی طرح وصول کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔

۳- وان یبشر الناس بالخیر ویامرھم بہ۔

اور یہ کہ لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرے اور اسی کا حکم دے۔

۴- ویعلم الناس القرآن ویفقھم الدین۔

اور لوگوں کو قرآن سکھائے اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرے۔

۵- وینھی الناس ان لا یمس احد القرآن الا وھو طاھر۔

اور لوگوں کو اس بات سے منع کرے کہ کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔

۶- ویخبر الناس بالذی لھم وبالذی علیھم۔

اور لوگوں کو (واضح طور پر) باخبر کردے کہ ان کے کیا حقوق ہیں اور ان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔

۷- ویلین الناس فی الحقوق یشتد علیھم فی الظلم وان اللہ عزوجل کرہ الظلم ونھی عنہ وقال: "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین"۔

اور لوگوں کے حقوق دینے میں نرمی کا رویہ اختیار کرے (البتہ) اگر کوئی ظلم کرے تو اس پر سختی کرے، اللہ عزوجل نے ظلم کرنا ناپسند فرمایا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اس کا ارشاد ہے: "سنو! ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے"۔

۸- ویبشر الناس بالجنۃ وبعملھا۔

لوگوں میں جنت اور جنت دلانے والے اعمال کی تبلیغ کرے۔

۹- وینذر الناس بالنار وبعملھا۔

اور لوگوں کو جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال سے ڈرائے۔

۱۰- ویستألف الناس حتی یفقھوا فی الدین۔

اور لوگوں کی دل داری کرے، تاکہ وہ دین کو سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں۔

۱۱- ویعلم الناس معالم الحج وسنتۃ وفریضتہ وما امر اللہ بہ والحج الاکبر والحج الاصغر وھو العمرۃ۔

اور وہ لوگوں کو حج کے مناسک، اس کے طریقے اور اس کے فرائض سکھائے اور اللہ کے احکام کی تعلیم دے اور حج اکبر اور حج اصغر (عمرہ) سکھائے۔

۱۲- وینھی الناس ان یصلی احد فی ثوب واحد صغیرا الا ان یکون ثوبا واحداً یثنی طرفیہ علی عاتقہ۔

اور لوگوں کو اس بات سے منع کرے کہ وہ ایک چھوٹے سے کپڑے میں نماز ادا کریں البتہ اگر کپڑا بڑا ہو اور اس کے دونوں کنارے دونوں شانوں پر ڈال لیے جائیں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔

۱۳- وینھی ان یحتبی احد فی ثوب واحد یفضی بفرجہ الی السماء۔

اور منع کرے کہ (نماز میں) کوئی شخص ایک کپڑا پہن کر اس طرح اکڑوں بیٹھے کہ اس کا ستر کھلا ہو۔

۱۴- وینھی الا یعقص احد شعر راسہ اذا عفا فی قفاہ۔

اگر کسی نے اپنے بال بڑھا کر گدی پر لٹکا لیے ہوں تو ان کا (نماز میں) جوڑا نہ باندھے۔

۱۵- وینھی اذا کان بین الناس عن الدعا الی القبائل والعشائر ولکن دعاء ھم الی اللہ وحدہ لا شریک لہ فمن لم یدع الی اللہ ودعا الی القبائل والعاشر فلیعطفوا بالسیف حتی یکون دعاء ھم الی اللہ وحدہ لا شریک لہ۔

اور لوگوں کے درمیان اگر (اختلاف ختم کرنے کے لئے) صلح ہو رہی ہو تو لوگوں کو اس بات سے منع کرو کہ وہ (اپنے اپنے) خاندان کے نعرہ لگائیں، ان کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا نعرہ لگانا چاہیے لیکن جو لوگ اللہ کا نعرہ نہ لگائیں اور خاندانوں اور قبیلوں کی طرف بلائیں تو ان کو

تلوار کے ذریعہ سے جھکایا جائے، یہاں تک کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کا نعرہ لگائیں۔

۱۶- ویامر الناس باسباغ الوضوٴ وجوھھم وایدیھم الی المرافق وارجلھم الی الکعبین ویمسحوا برؤسکم کما امر اللہ عز وجل۔

اور وہ لوگوں کو حکم دے کہ وضو میں اپنے چہروں کو اچھی طرح دھوئیں، ہاتھوں کو کہنیوں اور پیروں کو ٹخنوں تک پانی پہنچائیں، وہ اپنے سروں پر اس طرح مسح کریں جس طرح اللہ عز وجل نے حکم دیا ہے۔

۱۷- وامرہ بالصلوۃ لوقتھا واتمام الرکوع والخشوع ویغلس بالفجر ویھجر بالھاجرۃ حین تمیل الشمس وصلوۃ العصر والشمس فی الارض مدبرۃ والمغرب حین یقبل اللیل ولا تؤخر حتی تبدو النجوم فی السماء والعشاء اول اللیل ویأمر بالسعی الی الجمعۃ اذا نودی لھا والغسل عند الرواح الیھا۔

اور انھوں نے (ﷺ) اس کو (عمرو بن حزم) حکم دیا ہے کہ وہ نمازیں وقت پر ادا کرے، رکوع اور خشوع (قلبی جھکاؤ) کو مکمل کرے، نماز فجر اندھیرے میں ادا کرے اور سورج کے مغرب کی جانب جھکنے سے قبل نماز ظہر ادا کرے اور عصر کی نماز اس وقت ادا کرے جب دھوپ زمین سے واپس ہونا شروع ہو اور رات کی آمد کے وقت مغرب ادا کرے اور مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے ظاہر ہو جائیں اور نماز عشاء رات کے پہلے حصہ میں ادا کرے اور اس کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو نماز کے لئے لپک کر پہنچے اور نماز جمعہ کے لئے جاتے وقت غسل کرے۔

۱۸- وامرہ ان یاخذ من المغانم خمس اللہ۔

اور اسے حکم دیا ہے کہ مال غنیمت میں سے اللہ کا مقرر کردہ خمس وصول کرے۔

۱۹- وما کتب علی المومنین فی الصدقۃ من العقار عشر ما سقی البعل وما سقت السماء، ماسقی الغرب نصف العشر وفی کل عشر من الابل ثنتان وفی کل عشرین من الابل اربع شیاہ وفی کل اربعین من

البقر بقرۃ وفی کل ثلاثین من البقر تبیع جذع او جذعۃ وفی کل اربعین من الغنم سائمۃ شاۃ فانھا فریضۃ اللہ التی افترض اللہ عز وجل علی المومنین فی الصدقۃ فمن زاد خیرا فھو خیر لہ۔

اور زکوۃ کے سلسلہ میں مسلمانوں پر جو فرض کیا ہے اسے وصول کرتے ہوئے:

جس زمین کو دریا یا بارش نے سیراب کیا ہو اس کی پیداوار کا 1/10 حصہ اور جس کو ڈول (مصنوعی آب پاشی) سے سیراب کیا گیا ہو اس کی پیداوار کا 1/20 حصہ، ہر دس اونٹوں پر چار بکریاں اور ہر چالیس گائیوں پر ایک گائے اور ہر تیس گائیوں پر ایک نر یا مادہ یک سالہ بچہ اور چالیس چرنے والی بھیڑوں پر ایک بکری وصول کرلو، زکوۃ کے سلسلہ میں یہ اللہ عز وجل کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو اس نے اپنے بندوں پر نافذ کیا ہے جو شخص اس سے زیادہ دے تو وہ خود اس کے لئے بہتر ہے۔

۲۰- وانہ من اسلم من یھودی او نصرانی اسلاما خالصا من نفسہ ودان دین الاسلام فانہ من المومنین لہ مثل مالھم وعلیہ مثل ما علیھم ومن کان علی نصرانیتہ او یھودیتہ فانہ لایفتن عنھا وعلی کل حالم ذکر او انثی حر او عبد دینار واف او عرضہ ثیابا فمن ادی ذلک فان لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ومن منع ذلک فانہ عدو للہ ورسولہ وللمومنین جمیعا۔

یہ کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی مخلصانہ طور پر مسلمان ہو جائے اور دین اسلام اختیار کرے تو وہ مومنوں میں سے ہوگا، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو اہل ایمان کے ہوتے ہیں اور اس کے فرائض بھی ان ہی جیسے ہوں گے اور جو اپنی نصرانیت یا یہودیت پر قائم رہے تو اس کو اس کے دین سے پھیرنے کے لئے سختیوں میں نہیں ڈالا جائے گا اور ہر بالغ مرد یا عورت آزاد یا غلام سے ایک پورا دینار یا اس کی قیمت کے مساوی کپڑے بہ طور جزیہ وصول کیے جائیں گے، جو شخص یہ (جزیہ) ادا کرے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہوگا اور جو اس کو دینے سے انکار کرے گا تو وہ اللہ اس کے رسول اور مومنین، سب کا دشمن سمجھا جائے گا۔ (۲۱)

بہ ظاہر یہ چند فقروں پر مشتمل ایک مکتوب ہے مگر اس مکتوب میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے، چوں کہ یہ آپ ﷺ کا آخری ہدایت نامہ ہے، اس لئے اس کے احکام کو حتمی درجہ

حاصل ہے، اس مکتوب پر غور کیا جائے تو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی ملتی ہے۔

حوالے

(۱) القرآن المجید، سورۂ قریش: ۱ تا ۴۔ (۲) محمد رابع حسنی ندوی، مولانا: جزیرۃ العرب، کراچی، مجلس نشریات اسلام آباد ۱۹۹۸ء، ص ۲۰۴-۲۰۶۔ (۳) مودودی، سید ابوالاعلی، مولانا: سیرت سرور عالم، ج ۱، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۷۰۸ و ۷۰۹۔ (۴) ابن الاثیر: الشیخ العلامہ عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی: الکامل فی التاریخ، المجلد الثانی، بیروت، دار بیروت للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۵ء، ص ۳۸۵۔ (۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ہفتم، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۶۔ (۶) القرآن المجید، سورۃ الفیل، ۱ تا ۵۔ (۷) ابن ہشام مرتبہ: سیرت النبی کامل، ج ۲، ترجمہ وتہذیب، مولانا عبدالجلیل صدیقی: مولانا غلام رسول مہر، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، سن اشاعت درج نہیں، ص ۳۸۵۔ (۸) ایضاً۔ (۹) علی بن حسین علی الاحمدی: کتاب مکاتیب الرسول، قم المطبعۃ العلمیۃ، ۱۳۷۹ق، ۱۳۳۹ش، ص ۱۷۵۔ (۱۰) ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابوالفدا، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ترجمہ محمد جوناگڑھی، خطیب الہند مولانا، لاہور، مکتبہ قدسیہ، ۲۰۰۳ء، ص ۴۹۲۔ (۱۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران، آیت ۵۹-۶۳۔ (۱۲) محمد شفیع صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی: معارف القرآن، ج ۲، کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید، شعبان ۱۴۰۴ھ مطابق مئی ۱۹۸۴ء، ص ۸۵۔ (۱۳) محمد حمید اللہ الدکتور الحیدر آبادی، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی و الخلافۃ الراشدۃ، القاہرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۶۷ھ، ص ۱۱۱-۱۱۳۔ (۱۴) یہ ترجمہ محبوب رضوی کا ہے، مقالہ نگار نے اس کو معیاری سمجھ کر نقل کیا ہے مگر اس میں بہت کچھ محل نظر ہے۔
(۱۵) الطبری، امام ابی جعفر محمد بن جریر: تاریخ الامم والملوک، الجزء الثانی، بیروت، موسست الاعلمی للطباعت، ۱۸۷۹ء، ص ۲۸۵۔ (۱۶) ایضاً۔ (۱۷) ایضاً، ص ۳۸۵ و ۳۸۶۔ (۱۸) ابن ہشام: ایضاً، باب ۱۶۵۔ (۱۹) الطبری: ایضاً، ص ۳۸۶ و ۳۸۷۔ (۲۰) محبوب رضوی، ایضاً، ص ۲۱۹ و ۲۲۰۔
(۲۱) الطبری: ایضاً، ص ۳۸۷ و ۳۸۸، ابن ہشام: ایضاً، باب ۱۶۷۔

☆☆☆☆

مقالات شبلی میں عربی زبان وادب

از:- ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی☆

ہندوستان میں عربی زبان وادب کے تحفظ اور جدید عربی زبان وادب کے فروغ میں علامہ شبلی نعمانیؒ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں عربی زبان کی ترویج واشاعت کے لئے لجنۃ الادب اور اخوان الصفا کا قیام ان ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے(۱)، کالج میں نئے علوم وفنون کا ہر طرف بول بالا تھا، ''اس فضا میں طلبہ کے اندر اپنے پرانے علوم، فارسی زبان اور عربی ادب کا ذوق پیدا کردینا بڑا مشکل کام تھا مگر مولانا کی سعی ومحنت سے کالج میں کئی ہونہار طلبہ نے ان علوم میں نام وری حاصل کی، مولوی حمیدالدین صاحبؒ (۱۸۶۳-۱۹۳۰ء)، مولوی بہادر علی صاحبؒ اور مولوی داؤد بھائیؒ وغیرہ اس کی مثالیں ہیں''۔ (۲)

اسی طرح علامہ نے ندوۃ العلما کو جدید علوم ومعارف کے ساتھ جدید عربی زبان و ادب کا مرکز بنانا چاہا تھا جس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، یہ خواہش ان کے اندر روم ومصر اور شام کے دوران میں پیدا ہوئی تھی، وہاں کے اہل علم وفضل اور علمی مراکز کے ارباب بست وکشاد سے ملنے کے بعد علامہ کو احساس ہوا کہ عربی زبان نئی کروٹیں لے رہی ہے، جدید دور کے تقاضے اور تجربات کی وجہ سے نئے نئے الفاظ ڈھل رہے ہیں اور بہت سی دوسری زبانوں کے الفاظ کو تعریب کے بعد وہ اپنے اندر جذب کررہی ہے، اگر ہندوستان کے علمائے کرام عربی زبان کے ان تغیرات وانقلابات سے ناآشنا رہے تو دنیائے عرب سے ان کا رشتہ منقطع ہوجائے گا (۳) اور زبان کے نت نئے تجربات ان کی دست رس سے باہر ہوجائیں گے، آج ہندوستان میں جدید عربی زبان وادب کے باب میں ندوۃ العلما کو جو اولیت حاصل ہے وہ دراصل علامہ ہی

☆ ریڈر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ ہندوستان میں مصر سے عربی مجلّات وجرائد آنے کا سلسلہ بھی علامہ شبلی ہی کی بدولت شروع ہوا ہے، وہ اپنے تلامذہ کو تلقین کرتے کہ فلاں مضمون کو اردو میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے (۴)، چنانچہ ان کی ادارت میں نکلنے والے ''الندوہ'' اور مولانا ابوالکلام کے ہفت روزہ ''الہلال والبلاغ'' میں مصری مجلّات وجرائد کی بے شمار چیزیں عربی میں منتقل ہوئیں، انیسویں اور بیسویں صدی کے متعدد مصری مصلحین اور ادبا کی تحریریں الہلال میں شائع ہوئیں، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ افغانی، عبدہ اور رشید رضا مصری کے افکار و خیالات کی مختلف حیثیتوں سے الہلال میں ترجمانی کی گئی، ان تمام کاموں کی طرف علامہ ہی کی فکرمندی سے توجہ منعطف کی گئی۔

مکاتیب شبلی میں اور مختلف مواقع پر علامہ یہ تاکید کرتے رہے ہے کہ ندوہ کے طلبہ پر یہ محنت صرف کی جائے کہ انہیں عربی بولنے اور اس میں مافی الضمیر ادا کرنے کی پوری قدرت حاصل ہو۔

دارالعلوم ندوۃ العلما سے ۱۹۳۲ء میں ''الضیا'' منظرعام پر آیا جس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا مسعود عالم ندوی (۵) نے سنبھالی تھی، اس مجلّہ نے ہندوستان میں عربی زبان وادب کی ایک نئی جہت سے آشنا کیا، اس طرح علامہ اور ان کے تلامذہ نے عربی زبان وادب کے فروغ و استحکام میں جوگراں قدر خدمات انجام دیں، ان کی تفصیل کا موقع نہیں، ملک و بیرون ملک میں عربی زبان کی جانب سے بے اعتنائی اور سردمہری دیکھ کر سفرنامہ میں ایک جگہ بڑی حسرت سے رقم طراز ہیں:

''قسطنطنیہ میں کم سے کم بیس ہزار طلبہ علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں لیکن مدتوں سے ایک شخص بھی صاحب کمال پیدا نہیں ہوا اور سچ یہ ہے کہ مصر و شام وروم کا علمی معیار ہندوستان سے بھی گھٹا ہوا ہے'' ۔(۶)

اسی طرح جامعہ ازہر کے حالات بھی حد درجہ دگرگوں تھے، یہاں کے شیوخ طلبہ کے مستقبل سے بے فکر تھے، علامہ نے اپنے سفرنامہ میں ایک جگہ جامعہ ازہر کی ابتری پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''مجھے اپنے تمام سفر میں جس قدر جامعہ ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا، کسی چیز سے نہیں ہوا، ایک ایسا دارالعلوم جس میں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں، جس کا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو، جس کے طالب علموں کی تعداد ۱۲ ہزار سے متجاوز ہو، اس کی تعلیم وتربیت سے کیا کچھ امید نہیں ہوسکتی لیکن افسوس ہے کہ وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کرچکا ہے'' ۔(۷)

عربی مدارس کی تنظیم واصلاح کے سلسلے میں علامہ کو بڑی فکر وتشویش رہتی تھی کیوں کہ ان کا نظم ونسق، نصاب اور تربیت کے مسائل بالکل غیر تسلی بخش تھے، ۱۳۱۷ھ میں جب ریاست بھوپال کی جانب سے ان کو عربی مدارس کی تنظیم کا دعوت نامہ ملا تو انہوں نے اصلاحات کا ایک خاکہ پیش کیا (۸)، ندوۃ العلما کے نصاب کے لئے بھی ان کی اصلاحی تجویزیں کس قدر مفید اور بہتر تھیں مگر ان کی وجہ سے مخالفتوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔(۹)

عربی زبان سے مسلمانوں کی غفلت و بے پرواہی پر بھی علامہ کو بڑا قلق تھا کیوں کہ اس کے نتیجے میں دین اسلام کو انگریزوں کی کتابوں اور ان کے تراجم سے سمجھا جائے گا اور عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن کریم کو انگریزی تراجم سے سمجھے گا، فقہ اسلامی کا مدار ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر ہوگا (۱۰)، ایک طرف علامہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ پر نوحہ خواں تھے، دوسری طرف ندوہ کی عربی زبان کی ترویج وترقی میں خدمات کو سراہ رہے تھے، فرمایا کہ ''ندوہ کے مدرسہ کی عمر کل آٹھ نو برس ہے لیکن انصاف سے بتانا چاہیے کہ آج تک کسی مدرسہ نے ایسے طلبہ پیدا کئے جو عربی زبان میں برجستہ تقریر کرسکتے ہوں اور اس قسم کے علمی مضامین لکھ سکتے ہوں؟ جیسے کہ مختلف وقتوں میں شائع ہوچکے ہوں'' ۔(۱۱)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ علامہ عربی زبان وادب کو پوری آب وتاب کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے کیوں کہ اسلامی ثقافت کا تصور اس کے بغیر ممکن ہی نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر اسلامی مآخذ ومراجع سے آگاہ ہوا جاسکتا ہے، علامہ عربی زبان وادب کی باریکیوں اور حکمتوں سے واقف تھے، قرآن کریم کو عربی ادب کا معیار ومحور قرار دیا، جاہلی، مخضرمی،

اسلامی، اموی اور عباسی عہد کے شعرا اور نثر نگاروں سے بہ خوبی باخبر تھے، اسی طرح مکاتیب، سفرنامہ اور خطبات سے واضح ہے کہ جدید عربی شعرا اور محققین پر علامہ کی گہری نظر تھی اور انہیں مدارس میں فن ادب سے بے اعتنائی پر بڑا افسوس تھا، فرماتے ہیں کہ ''مدرسوں میں فن ادب کا مذاق نہیں اور کالج والے خود عربی نہیں پڑھتے بلکہ یہ لقمہ زبردستی ان کے منھ میں ڈالا جاتا ہے، جس کو امتحان کے بعد وہ اُگل دیتے ہیں''۔(۱۲)

راقم نے اپنے ایک مقالہ ''علامہ شبلی اور عربی زبان وادب'' میں علامہ کی عربی زبان و ادب سے متعلقہ خدمات کا جائزہ لیا نیز آپ کی عربی تصانیف: ۱- الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی، ۲- الجزیہ، ۳- تاریخ بدء الاسلام، ۴- اسکات المعتدی علی انصات المقتدی اور ۵- طبقات ابن سعد نیز عربی خطوط کا مکمل جائزہ لیا ہے، اس مضمون میں صرف مقالات شبلی میں عربی شعر وادب سے متعلق جو امور و مباحث ہیں ان پر روشنی ڈالی جائے گی جو اس میں عربی شاعری، بلاغت، چند عربی تصانیف اور کچھ ادبی شخصیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

عربی شاعری کے متعلق علامہ کا خیال ہے کہ ہماری قوم شعر العرب کی تاریخ سے محروم ہے، خود اپنے متعلق علامہ کا خیال ہے کہ مجھے شعر العجم سے قبل شعر العرب پر قلم اٹھانا چاہیے تھا، عربی شاعری کی دنیا بہت وسیع ہے، قومی جذبات سے لبریز ہے یا یوں کہئے کہ عربوں کی پوری تاریخ اور تہذیب کی آئینہ دار ہے، علامہ نے ابن رشیق قیروانی کی مشہور کتاب ''کتاب العمدہ'' کی روشنی میں شعر العرب کا ایک خاکہ پیش کیا ہے، ابن رشیق کی دیگر تصانیف میں یہ کتاب سرتاج کے مانند ہے، علامہ ابن خلدون نے اسے اپنے موضوع پر یکتا قرار دیا ہے۔

عربی شاعری میں قصیدہ کی ابتدا مہلہل بن ربیعہ سے ہوئی جو امرؤ القیس کا ماموں تھا، فرزدق نے اس کی اولیت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:(۱۳)

ومهلهل الشعراء ذاك الأول ۔(۱۴)

امرؤ القیس آنحضورؐ سے چالیس سال قبل تھا، اسی کے آس پاس مہلہل کا زمانہ بھی رہا ہوگا، عرب کی شاعری کے باب میں علامہ کا خیال ہے کہ یہ شریفانہ اور مردانہ جذبات سے معمور ہے،

فارسی شاعری کی طرح اس میں مداحی اور خوشامد نہیں ہے، عرب ایک جنگ جو اور نڈر قوم تھی، ان ہی خیالات سے ان کی شاعری آباد ہے، خانہ جنگی کے وقت کوئی قبیلہ کسی شاعر کی مدد کرتا تو وہ اس کا ذکر اپنی شاعری میں ضرور کرتا، جیسا کہ امرؤ القیس نے بنو تیم کی مدح سرائی کی ہے:

اقرّ حشا امرء القيس بن حجر   بنو تيم مصابيح الظلام (۱۵)

زہیر بن سلمی پہلا شاعر ہے جس نے ہرم بن سنان کی مدح سرائی کی لیکن اس نے اپنے وقار کو ہمیشہ جراحت سے محفوظ رکھا، چنانچہ جب اسے بادشاہ نے حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار میں آئے اور مجھے سلام کرے تو اسے انعام سے نوازا جائے مگر اس کے بعد سے جب وہ دربار میں آتا تو کہتا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہوں۔

زہیر کے بعد جب نابغہ ذبیانی نے سلاطین کی مداحی کی تو اس کی وجہ سے وہ معاشرہ میں ذلیل ہوگیا اور اس کی شان وشوکت کا سلسلہ ختم ہوگیا، کتاب العمدہ میں مذکور ہے:

فسقطت منزلته وتكسب مالا جسيما ۔ (۱۶)   تو اس کی عزت جاتی رہی اور اس نے مداحی سے بڑی دولت پیدا کی۔

عرب شعرا مداحی کو ذلت کا شاخسانہ تصور کرتے، اس تعلق سے علامہ نے کئی واقعات نقل کیے ہیں، ایک واقعہ لبید بن ربیعہ کا ہے جو بہت مہمان نواز تھا، خاطر تواضع میں سیکڑوں اونٹ ذبح کردیتا لیکن عسرت اور تنگ دستی کی بنا پر جب یہ سلسلہ منقطع ہونے لگا تو ولید بن عقبہ نے سو اونٹ بھیج دئے، تا کہ معمول میں کوئی فرق نہ آئے، اس پر لبید نے اپنی بیٹی کو بلا کر کہا کہ مجھ سے اب شعر نہیں کہے جاتے، اس لئے تم میرے محسن کو شکریے کے اشعار لکھ کر بھیج دو، اس نے یہ قطعہ لکھا:

اذا هبت رياح ابى عقيل   دعونا عند هبتها الوليدا
اغرّ الوجه ابيض عبشمياً   اعان على مروته لبيدا
ابا وهب جزاك الله خيرا   سخرنا ها واطعمنا الله يدا

آخری شعر یہ تھا:

قعدان الكريم له معاد   وظنى بابن أروى ان يعودا (۱۷)

لبید نے کہا کہ بیٹی! اشعار تو اچھے ہیں لیکن اخیر شعر غیرت کے خلاف ہے کیوں کہ اس

میں اظہار حاجت ہے۔

عبدالملک نے جب عمر بن ابی ربیعہ سے اپنی مدح کی فرمائش کی تو اس نے کہا کہ میں صرف عورتوں کی مدح کرتا ہوں، اسی طرح سلیمان بن عبدالملک نے جب فرزدق سے اپنی شان میں کچھ کہنے کو کہا تو اس کے بجائے وہ اپنے خاندان کی ستائش میں نغمہ سرا ہوگیا، اس وقت دربار میں ایک اور شاعر نصیب موجود تھا، یہ سنتے ہی وہ بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوگیا، بادشاہ نے اسے پانچ سو اشرفیاں دلائیں اور فرزدق کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی آگ کے پاس جائے، فرزدق غصہ میں دربار سے یہ شعر پڑھتا ہوا روانہ ہوگیا:

وخیر الشعر اکرمہ رجالاً   وشر الشعر ما قال العبیدا (۱۸)

اچھے شعر شرفا کہتے ہیں اور سب سے برا شعر وہ ہے جو غلاموں نے کہا ہو

علامہ کا خیال ہے کہ غیر قوموں کے اختلاط کی وجہ سے عرب شعرا میں مداحی کا رواج ہوا تاہم مروان بن حفصہ کہتا ہے ابتدا میں خلفا، سلاطین اور امرا کے سوا اور کسی کی مدح نہیں کرتے تھے اور نہ صلہ لیتے تھے۔

ولقد جبیت بالف الف لم تکن   الا بکف خلیفۃ و وزیر

میں نے لاکھوں روپے حاصل کیے لیکن صرف خلیفہ یا وزیر سے

مازالت الف ان اولف مدحۃ   الا لصاحب منبر او سریر (۱۹)

میں ہمیشہ اس بات کو عار سمجھتا رہا کہ بجز صاحب تخت و منبر کے اور کسی کی مدح کروں

عربوں کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ فارسی شعرا علوم وفنون میں ماہر اور عرب شعرا علم وفن سے ناآشنا تھے، یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری فطری جذبات اور سچے خیالات سے مملو ہوتی ہے، تمدن وتعلیم کے فروغ کے بعد شاعری فطری جذبات اور صداقت و دیانت سے دور ہوجاتی ہے اور اس میں تصنع وتکلف آجاتا ہے، ایک بڑے متمدن شاعر کے یہاں یہ تصنع ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

اذا مضر الحمرا کانت ارومتی   وقام بمجدی حازم وابن حازم

جب کہ قبیلہ مضر میرا مورث اعلا ہے اور میری شرافت کے بانی حازم اور ابن حازم ہیں۔

عطست بانفی شامخا وتناولت   یدای الثریا قاعداً غیر قائم (۲۰)

تو غرور سے ناک چڑھاتا ہوں اور میرے ہاتھ بیٹھے بیٹھے ثریا کو چھو لیتے ہیں۔

ایک جاہلی شاعر نے اپنے جذبات کو سیدھے انداز میں یوں پیش کیا ہے:

الا لا یجھلن احد علینا   فنجھل فوق جھل الجاھلینا

ہاں دیکھو کوئی ہم سے جہالت نہ کرے ورنہ ہم جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہیں۔

اذا بلغ الفطام لنا صبی   تخر لہ الجبابر ساجدینا (۲۱)

جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑتا ہے تو بڑے بڑے جبار اس کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں۔

علامہ نے عربی شاعری اور فارسی شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا کہ نہ صرف ایران بلکہ تمام ایشیا میں شاعری تفریح طبع کی چیز تھی جس کو انوری نے اپنے ایک قطعہ میں ثابت کیا ہے کہ انسانی معاشرہ میں ایک شاعر کی حیثیت بھنگی اور خاکروب سے بھی کم تر ہے لیکن ایک عربی شاعر جندل، فاتح اور ایک سردار اعظم کے روپ میں دیکھا جاتا ہے، ایک شاعر اپنے زور کلام سے بعض قبیلوں کے نام ونشان تک مٹا دیتا تھا، عرب کے ایک معزز قبیلہ بنونمیر کو اپنی قبائلی حیثیت پر حد درجہ ناز تھا، جریر کو یہ چیز بہت ناپسند تھی، چنانچہ اس کی ہجو لکھنے بیٹھ گیا اور بیٹے سے کہا کہ چراغ میں تیل زیادہ ڈال دینا، آج دیر تک جاگوں گا، چنانچہ ہجو لکھتے لکھتے جب یہ شعر منظوم ہوا:

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعبا بلغت ولا کلابا (۲۲)

تو زور سے اچھلا اور پکارا اٹھا "واللہ اخزیتہ لا یفلح ابداً" (یعنی میں نے اس قبیلے کو ذلیل اور برباد کردیا اب وہ قیامت تک ابھر نہیں سکتا) چنانچہ یہی ہوا کہ جب کبھی اس قبیلے کے کسی فرد سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو اپنے قبیلے کی جانب انتساب سے کتراتا، اس طرح دھیرے دھیرے اس قبیلے کا وجود ہی ختم ہوگیا، اسی طرح بعض گمنام قبیلے اپنے ایک شاعر کی بہ دولت معزز قبائل میں شامل ہوگئے، جب کسی گھرانے میں کوئی شاعر پیدا ہوتا تو تمام قبیلوں کی طرف سے مبارک باد کے پیام آتے تھے، دعوتیں ہوتی تھیں اور عورتیں مبارک باد کے گیت گاتی تھیں، اس کے برعکس جب کوئی فارسی میں طبع آزمائی کرتا تو گداگروں کی فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ تصور کیا جاتا۔

عربی شاعری قوت وعظمت سے عبارت تھی، ہر شعر ایک مقصد اور نتیجہ کا حامل ہوتا تھا،

عمرو بن کلثوم کے صرف ایک قصیدے نے قبیلہ تغلب کو دو سو برس تک غیرت و شجاعت کے نشے میں چور رکھا، اس کے ایک ایک فرد کو یہ قصیدہ یاد ہوتا اور وہ مجامع عام میں پڑھتا تھا، امیر معاویہؓ لیلۃ الھریر کے دن حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بھاگ جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے لیکن درج ذیل اشعار نے انہیں روک لیا:

وقولی کلما جشأت و جاشت   مکافک تحمدی أو تستریحی

لا دفع غن ماثر صالحات   واحمی بعد عن عرض صحیح (۲۳)

شعرا کو کسی حال میں بھی ذلت گوارا نہیں ہوتی، چنانچہ عرب کے مشہور بادشاہ عمرو بن ہند نے جب یہ اعلان کرایا کہ کیا اب بھی عرب میں کوئی ایسا شخص ہے جسے میرے سامنے سر جھکانے میں تامل ہو، تو لوگوں نے عمرو بن کلثوم کا نام پیش کیا، چنانچہ عمرو بن کلثوم اور اس کی ماں کو دربار میں طلب کیا گیا، ماں شاہی محل کے اندر گئی تو بادشاہ کی ماں نے اس سے کہا کہ فلاں چیز اٹھا دینا، اس پر کلثوم کی ماں نے کہا کہ اپنا کام خود کرنا چاہیے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا تو وہ چراغ پا ہو کر کہتی ہیں "واذلاہ" یعنی ہائے ذلت، عمرو بن کلثوم کو اندازہ ہوا کہ میری ماں کی توہین کی گئی ہے، چنانچہ اس نے اپنی تلوار سے بادشاہ کی گردن اڑا دی، اس کے بعد دونوں قبائل میں برسوں جنگ اور سخت خوں ریزی ہوئی جس میں دونوں طرف کے ہزاروں آدمی جنگ کی نذر ہوئے، اس تمام داستان کو عمرو بن کلثوم نے اپنے قصیدہ میں منظوم کیا اور اسے سوق عکاظ کے سالانہ دنگل میں پیش کیا۔

اصل عربی شاعری میں مدح کا کوئی مقام نہیں تھا لیکن اسلام کے بعد حضارت و ثقافت کے فروغ اور شخصی حکومت کے قیام کی وجہ سے مدح بھی عربی شاعری کی ایک صنف قرار پا گئی، اس کے برعکس فارسی شاعری مدح سے بھری ہوئی ہے، مبالغہ اور غلو اس کے امتیازات ہیں اور ممدوح کے متعلق تمام ناممکنات جائز ہیں، ایرانی شاعری میں اگر کسی معمولی شخص کی بھی تعریف کی جاتی تو اس کو تمام اوصاف و کمالات کا مجموعہ بنا دیا جاتا لیکن عربی شاعری اس سے عاری ہے، چنانچہ جب اخطل نے تعریف کی کہ:

وقد جعل اللّٰہ الخلافۃ منھم   لا بیض لا عاری الخوان ولا حدب (۲۴)

خلافت خدا نے ایسے شخص کو دی ہے جس کا دستر خوان تنگ نہیں ۔

اخطل کے اس خیال پر اعتراض کیا گیا کیوں کہ یہ چیز بادشاہ کے ایک ادنی غلام میں بھی پائی جا سکتی ہے۔

علامہ نے عرب کی مدحیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے صحیح اور سچے خیالات کی غمازی ہوتی ہے، ایک عرب شاعر صداقت کا علم بردار ہوتا ہے، درج ذیل اشعار میں یہ عنصر واضح انداز میں موجود ہے:

اخی ثقۃ لا یھلک الخمر مالہ   ولکنہ قد یھلک المال نائلہ (۲۵)/۱

تراہ اذا ما جئتہ متھللا   کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

وفیھم مقامات حسان وجوھھا   واندیۃ ینتابھا القول والفعل (۲۵)/۲

علامہ نے آگے مزید مثالیں پیش کی ہیں اور اسی ضمن میں فارسی اشعار کو نقل کرتے ہوئے بتایا کہ اس واقعیت اور حقیقت پسندی سے اس کا دامن خالی ہے، ایرانی شعرا اپنے علم و فضل اور رنگ و آہنگ کا ذکر کرتے ہیں جب کہ عرب شعرا اپنے علو نسب، اپنی شجاعت اور جنگی کارناموں کو ذریعہ تفاخر اور جود و سخا کو اپنی رفعت کا سبب بتاتے ہیں لیکن دین اسلام نے حسب و نسب پر فخر کو معیوب قرار دیا ہے، اسی لئے بعد کے شعرا نے اس سے احتراز کیا ہے، جیسا کہ متنبی کا خیال ہے:

ما بقومی شرفت بل شرفوا بی   و بنفسی فخرت لا بجدودی (۲۶)

میرا اشرف خاندان کا رہین منت نہیں بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہے اور مجھ کو اپنے باپ دادا پر ناز نہیں بلکہ اپنے آپ پر ناز ہے۔

آگے علامہ نے عرب شعرا کے کلام سے چند نمونے پیش کئے ہیں جن سے حقیقی جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے (۲۷)، امرؤ القیس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ما ینکر الناس طراحین بملکھم   کانوا عبیداً وکنا نحن ارباباً (۲۸)

بشار بن برد اپنی عظمت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

اذا ما اعرنا سیداً من قبیلۃ   ذری منبر صلی علینا و سلما

ومن یفتقر منا یعش بحسامہ   ومن یفتقر من سائر الناس سائل

وانا لنلهو بالحروب كما لهت فتاة بعقد أو سخاب قرنفل (۲۹)

مذکورہ بالا سطور سے ایک واضح فرق عرب شعرا اور ایرانی شعرا میں محسوس کیا جاسکتا ہے، اسی بحث کی بنیاد پر علامہ نے فارسی شاعری کو عرب کی دست پرور بتایا ہے لیکن فارسی شاعری میں بہت سی ایسی صفات ہیں جن سے عربی شاعری کو کوئی علاقہ نہیں، فارس کی شاعری عرب کا سایہ ہے لیکن اس کے باوجود دونوں ملکوں کے تمدن و معاشرت میں بہت فرق ہے، عرب شعرا بہادر، جنگجو اور آزاد طبیعت تھے، انہیں محکومی سے بیر تھا، فصاحت و بلاغت ان کی فطرت میں رچی بسی تھی، یہی وجہ ہے کہ ''حماسیات'' کا عربی شاعری میں ایک نمایاں مقام ہے، عرب شعرا اس عنوان کے تحت اپنے ذاتی احوال قلم بند کرتے تھے، فارسی شاعری میں بھی رزمیہ شاعری قابل ذکر اہمیت کی حامل ہے لیکن یہاں ایک شاعر ذاتی احوال کے بجائے داستان بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فردوسی کو ایک داستان گو کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے لیکن عرب شعرا اپنی سرگذشت کو موضوع بحث بناتے تھے۔

عرب شعرا نے آزادانہ اظہار کو اپنا تشخص قرار دیا جب کہ فارسی شاعری کا اصل چیدہ بولی ہے۔

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں بباید گفت اینک ماہ و پروین (۳۰)

عرب شعرا اپنے ناموس و وقار کے تحفظ کے لئے بڑے سے بڑے مصائب و مسائل کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہتے، مثلاً کسی شاعر سے نسب میں کم رتبہ ایک رئیس جب شاعر کو فلاکت زدہ دیکھ کر اس کی حاجت روائی کے لئے تیار ہوتا ہے کہ شاعر سے اپنی قرابت داری قائم کرے، رئیس کے اس خیال پر اسے اس انداز سے ملامت کرتا ہے:

تبغي ابن كوز والسفاهة كاسمها ليستاد منا ان شتونا لياليا

وانا على عض الزمان الذي ترى نعالج من كره المخازي الدواهيا

فلا تطلبنها يا ابن كوز فانه غذا الناس مذ قلم النبي الجواريا (۳۱)

عرب شعرا اپنے ذاتی کارناموں کو بڑے جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں، جب کہ فارسی شاعری اس طرح کے تفاخر سے عاری ہے بلکہ ان کے یہاں سارا زور اس پر ہوتا ہے کہ وہ

بادشاہ اقلیم سخن ہیں، عرفی اور نظامی کو اپنے انداز بیان اور رنگ و آہنگ پر ناز ہے، ان کا خیال ہے کہ الفاظ و تراکیب ان کے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، عرفی ایک جگہ یوں کہتا ہے:

سر برزدہ ام بامہ کنعاں ز یکے جیب معشوق تماشا طلب و آئنہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفاں من زہرہ را منت گر و من بدر منیرم (۳۲)

عرب شعرا کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے پہاڑ، صحرا، جنگل، سبزہ زار اور آب رواں کی جس انداز سے تصویرکشی کی ہے، اس کی مثال فارسی شاعری میں نہیں ملتی، البتہ باغ و بہار کا ذکر فارسی شعرا کے یہاں کثرت سے ہے، یہ مضمون عربی شاعری میں اس لئے نہیں کہ عرب شعرا کا ان چیزوں سے واسطہ نہیں، وہ ان ہی مضامین کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں جن سے ان کا براہ راست سابقہ ہو، یہ چیز ان کی حقیقت پسندی کی غماز ہے۔

عربی شاعری خصوصاً مراثی میں انسانی جذبات اور رنج و غم کی سچی ترجمانی پائی جاتی ہے، فارسی شاعری میں بھی مراثی ہیں لیکن ان کے مراثی اور قصائد میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، ایک میں مردہ ممدوح اور دوسرے میں زندہ ممدوح کی تعریف کی جاتی ہے اور ان میں آورد کا دخل ہوتا ہے، عرب شعرا اپنی اولاد، اپنے اعزا، احباب، گھوڑوں اور جانوروں کے مراثی میں اپنے دلی جذبات کو اس طرح شامل کردیتے ہیں کہ قاری اس کی تاثیر سے نکل نہیں پاتا، علامہ کا خیال ہے کہ فارسی کی تمام شعری اصناف میں ایسے چار اشعار کا ملنا مشکل ہے جس میں انسانی جذبات کی صحیح تعبیر پیش کی گئی ہو، فارسی غزل کی اپنی ایک اہمیت ہے لیکن یہاں بھی جس قدر آورد ہے آمد نہیں۔

عرب اپنی شاعری کو ''الشعر دیوان العرب'' کہا کرتے تھے، یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ عربی شاعری عربوں کے رہن سہن، بود و باش، معاشرتی زندگی، اخلاقیات اور جنگی مہارتوں پر پوری طرح دال ہے، اس کے برعکس فارسی شاعری سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اہل فارس زمین پر رہتے تھے یا آسمان پر بسر کرتے تھے۔ (۳۳)

علامہ نے عرب شعرا کی بہت سی ایسی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایرانی شعرا ان خوبیوں سے محروم ہیں، اس طرح علامہ نے یہ بھی وضاحت کی کہ فارسی شاعری کی بہت سی صفات ایسی ہیں جن سے عرب شعرا کا کوئی علاقہ نہیں، مثلاً مثنوی ایک ایسی صنف ہے

جس کا عربی میں وجود نہیں، اس صنف کے متعلق معلوم ہے کہ اس میں سیکڑوں واقعات اور ہزاروں خیالات مسلسل بیان کئے جاسکتے ہیں، عربی شاعری فلسفیانہ خیالات سے محروم ہے جب کہ ناصر، خسرو، عمر وخیام، مولانا روم اور عرفی نے اپنے فلسفیانہ خیالات سے فارسی شاعری کو مالا مال کردیا ہے، علامہ کا یہ بھی خیال ہے کہ فارسی شاعری کے اخلاقی پہلوؤں کے سامنے عربی شاعری بے دم نظر آتی ہے، فارسی شاعری کا دامن متصوفانہ خیالات سے معمور ہے جب کہ عربی شاعری میں ابن فارض اور محی الدین ابن عربی کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا، علامہ فارسی شاعری کے ایک پہلو کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ چوں کہ فارسی شاعری عمر میں عربی شاعری سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے متنوع اور گوناگوں خیالات جس قدر فارسی میں ہیں وہ عربی میں نہیں، اسی طرح فارسی شاعری تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت میں ایسے ایسے کمالات دکھائے ہیں کہ عربی شعرا کا وہاں تک گزر ممکن نہیں۔ (۳۴)

علامہ شبلی نعمانی زبان اور قلم دونوں سے عربی زبان وادب کی خدمت میں لگے ہوئے تھے، نئے علوم کے جوش میں جب عربی زبان پر تنقید کی گئی اور اس سے بے اعتنائی برتی گئی اور اسے ایک غیر علمی زبان قرار دیا گیا تو اس پر علامہ چیخ اٹھے، چنانچہ اسی طرح جب ایک مضمون علی گڑھ منتھلی میں "احیاء علوم عربیہ" کے عنوان سے لکھا گیا اور اس میں عربی زبان کو ایک سطحی زبان کی حیثیت سے پیش کیا گیا تو علامہ نے اس کا نوٹس لیا اور دلائل کی روشنی میں نہایت دندان شکن جواب تحریر کیا، چوں کہ اس مقالہ میں عربی شاعری کا مذاق اڑایا گیا تھا، اس لئے علامہ نے بتایا کہ عربی شاعری میں جو قوتِ اظہار ہے اور حالات کا رخ موڑ دینے کا جو فن ہے اس کی مثال کسی اور زبان کی شاعری میں نہیں ملتی، یہاں صداقت ودیانت کا جو معیار ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، عرب شعرا نے جس جوش، خروش اور جرأت وشجاعت کا اعلا نمونہ پیش کیا ہے وہ اور زبانوں میں مفقود ہے، چوں کہ صاحب مضمون عربی زبان سے نابلد تھے ورنہ ان کے سامنے علامہ عربی شاعری کے مزید اوصاف بیان کرتے، تاہم "حماسہ" سے اخلاقیات سے متعلق چند اشعار پیش کئے، تاکہ صاحب مضمون کو عربی شاعری کی برتری کا اندازہ ہوسکے (۳۵)، علامہ نے چودہ اشعار نقل کئے ہیں لیکن یہاں صرف پانچ اشعار پیش خدمت ہیں:

اذا ما اتت من صاحب لک زلة   فکن انت محتالاً لزلته عذرا (۳۶)

وللکف عن شتم اللئیم تکرما   احضرّ له من شتمه حین یشتم (۳۷)

وانی لعبد الضیف مادام نازلاً   وما شیمة لی غیرها تشبه العبدا (۳۸)

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه   فکل رداء یرتدیه جمیل (۳۹/۱)

اذا سید منا خلا قام سید   قئول لما قال الکرام فعول (۳۹/۲)

(باقی)

حوالے

(۱) حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مطبع معارف، دارالمصنفین اعظم گڈھ، طبع ثانی ۱۹۷۰ء، ص ۱۵۹۔ (۲) ایضاً، ص ۱۴۸ و ۱۴۹۔ (۳) ایضاً، ص ۲۳۲ و ۲۳۳۔ (۴) مکاتیب شبلی، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، طبع دوم، مطبع معارف، اعظم گڈھ، ۱۹۷۲ء، ۱۸۱/۲۔ (۵) وضاحت کے لئے دیکھئے: مولانا مسعود عالم ندوی: حیات اور کارنامے، ڈاکٹر عبدالحمید فاضلی، طبع اول، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۲-۹۸۔ (۶) مقالات شبلی، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، طبع دوم، مطبع معارف، اعظم گڈھ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء، ۱۲۷/۳ و ۱۲۸۔ (۷) سفرنامہ روم ومصر وشام، مولانا شبلی نعمانی، مطبع معارف، اعظم گڈھ، ۱۹۴۰ء، ص ۲۰۲ و ۲۰۳۔ (۸) حیات شبلی، ص ۳۲۴ و ۳۲۵۔ (۹) اس کے لئے دیکھئے: علامہ شبلی کا نظریہ تعلیم (اختلافات کے پس منظر میں) ڈاکٹر عبیداللہ فراہی، فوٹو لیتھو ورکس سیماپلوری دہلی، ستمبر ۱۹۸۸ء، ص ۵۸۔ (۱۰) حیات شبلی، ص ۲۰، ۲۱۔ (۱۱) خطبات شبلی، مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم گڈھ، ۱۹۶۵ء، ص ۶۴۔ (۱۲) مقالات شبلی (باہتمام مسعود علی ندوی) طبع دوم، مطبع معارف اعظم گڈھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء، ۲۹/۲۔ (۱۳) ایضاً، ۳۰/۲ و ۳۱۔ (۱۴) پورا شعر یوں ہے: واخو بنی قیس ومعن قتلته   ومهلهل الشعراء ذاک الاول (دیوان الفرزدق (شرحه وضبطه وقدم له: الاستاذ علی فاخور) دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان، الطبعة الاولی، ۱۴۰۷/ ۱۹۸۷ء، ص ۴۹۳۔ (۱۵) دیوان امرؤالقیس (تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم) دارالمعارف، مصر، ۱۹۵۷ء، ص ۱۴۱۔ (۱۶) العمدہ - ابن رشیق القیروانی (حققه وفصله وعلق حواشیه: محمد محی الدین عبدالحمید) الطبعة الثانیه، مطبعة السعادہ، مصر، شوال ۱۳۷۴ھ/ یونیہ ۱۹۵۵ء، ۸۰/۱۔ (۱۷) مقالات شبلی حصہ دوم، ص ۳۲، طبع اول ۱۹۳۱ء، ص ۳۲۔ (۱۸) یہ شعر فرزدق کے دیوان میں موجود نہیں ہے۔ (۱۹) مقالات شبلی حصہ دوم۔ (۲۰) ایضاً۔ (۲۱) شرح المعلقات السبع، مکتبة الهلال، کیرالہ الهند ۱۹۸۰ء، ص ۱۹۱ و ۲۰۳۔ (۲۲) شرح دیوان جریر (محمد اسماعیل عبدالله الصاوی) الطبعة الاولی،

مطبعۃ الصاوی بشارع الخلیج المصری رقم ۲۹۴، ۵۳ ۱۳ھ، ص ۷۵۔ (۲۳) مقالات شبلی حصہ دوم۔ (۲۴) الاخطل (احاجی منتخبہ) (بقلم فواد افرام البستانی) طبعۃ ثانی المطبعۃ الکاثولیکیۃ، بیروت ۱۹۶۳، ص ۲۹۔ (۱/۲۵) دیوان زہیر بن ابی سلمی (تحقیق وشرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر بیروت، ۱۹۵۳، ص ۸۷۔ (۲/۲۵) دیوان زہیر بن ابی سلمی (تحقیق وشرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر بیروت، ۱۹۵۳، ص ۹۶ و ۹۷۔ (۲۶) دیوان المتنبی، دار صادر، دار بیروت، بیروت، ۷۷ ۱۳ھ/ ۱۹۵۸م، ص ۲۱۔ (۲۷) وضاحت کے لئے دیکھئے: مقالات شبلی، ۲/ ۵ ۴ ۸ ۲۔ (۲۸) دیوان امرؤالقیس، ص ۲۷۹۔ (۲۹) دیوان شعر بشار بن برد (جمعہ وحققہ: السید بدرالدین العلوی) دارالثقافۃ، بیروت لبنان، (بدون تاریخ) ص ۲۰۰۱۔ (۳۰) یہ شعر جزء بن کلیب الفقعسی کا ہے، دیکھئے: دیوان الحماسہ، ص ۳۶۔ (۳۱) کلیات عرفی شیرازی (بہ کوشش: غلام محسین جواہری) کتاب بہ فروشی وچاپ خانہ محمد علی علمی (بدون تاریخ)، ص ۱۵۷۔ (۳۲) وضاحت کے لئے دیکھئے: مقالات شبلی، ۲/ ۴۹-۴۵۔ (۳۳) ایضاً، ۲/ ۵۵ و ۵۶۔ (۳۴) ایضاً، ۳/ ۱۶۹ و ۱۷۰، ۱۹۵۵ء۔ (۳۵) یہ شعر سالم بن وابصہ الاسدی کا ہے، دیکھئے دیوان الحماسہ (حواشی از حافظ محمد اعزاز علی) المطبع القاسمی (بدون تاریخ)، ص ۱۷۱۔ (۳۶) یہ شعر الموصل بن امیل المحاربی کا ہے، دیکھئے ایضاً، ص ۱۷۱۔ (۳۷) یہ شعر المقنع الکندی کا ہے، دیکھئے ایضاً، ص ۱۸۰۔ (۳۸) شرح دیوان الحماسہ للمرزوقی (نشرہ: احمد امین عبدالسلام ہارون) الطبعۃ الاولیٰ، مطبعۃ التالیف، ۱/ ۱۱۰۔ (۳۹) ایضاً، ۱/ ۱۲۱۔

❁❁❁❁

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریہ تقلید[1]

از:- جناب توقیر احمد ندوی☆

اعتدال وتوسط شاہ ولی اللہ دہلوی محدثؒ کا وہبی اور تجدیدی امتیاز ہے، یہی امتیاز اجتہاد وتقلید کے باب میں بھی کارفرما ہے، وہ تقلید کے خلاف نہیں تھے مگر اندھی تقلید کے بھی قائل نہ تھے، انہوں نے مسلمانوں کے مختلف علمی اور فقہی طبقوں کے افکار میں تطبیق کی کوشش کی اور مختلف فیہ مسائل میں الجھنے کے بجائے متفق علیہ مسئلوں کی طرف لوگوں کو لانے کی جدوجہد کی۔

دراصل شاہ صاحب نے جس دور میں ہوش سنبھالا اس وقت دو طرح کے گروہ سرگرم تھے، ایک طرف وہ لوگ تھے جو ہر خاص وعام مسلمان کو براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ان ہی سے ہر معاملہ میں رہنمائی حاصل کرنے کی دعوت دیتے تھے اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو ان غیر مقلدین کو فاسق وضال گردانتے تھے اور سب کے لئے تقلید کو ضروری خیال کرتے تھے۔

مگر شاہ صاحب نے جو مسلک اختیار کیا وہ شریعت سے قریب تر تھا، انہوں نے چوتھی صدی ہجری سے قبل تک جو عمل رائج تھا اس کی تجدید کی کوشش کی، "عقد الجید" میں رقم طراز ہیں:

ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ و تبع التابعین اعتمدوا علی التابعین و ھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء علی من قبلھم۔ (ص ۵۴)

شریعت کے معاملات میں امت بالاتفاق سلف پر اعتماد کرتی آئی ہے، تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کرتے رہے ہیں، اسی طرح سے ہر طبقہ نے اپنے سے قبل کے علما پر اعتماد کیا۔

---

[1] یہ مقالہ شاہ ولی اللہ سل شعبہ ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے زیر اہتمام سمینار "شاہ ولی اللہ کی فقہی خدمات" منعقدہ ۱۸/ ۱۹/ نومبر ۲۰۰۵ء میں پڑھا گیا۔

☆ رفیق دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ۔

ائمہ اربعہ سے قبل دوسری صدی کے آخر تک تقلید کا یہی انداز رہا، صحابہ و تابعین میں بھی یہی عمل رائج تھا، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''چار مذہبوں کے ظہور سے قبل تک یہی معمول رہا ہے کہ کسی بھی عالم کی تقلید کی جاتی تھی، کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر انکار نہیں کیا اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے''۔ (عقد الجید، ص ۵۰)

مگر تقلید کے وقت یہ اعتقاد بالکل نہیں رکھنا چاہیے کہ ہم جس امام کی تقلید کر رہے ہیں وہی صحیح ہے اور وہ امام دیگر اماموں پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے، شاہ صاحب اپنی مذکورہ بالا کتاب میں فرماتے ہیں:

''تقلید کے صحیح ہونے کے لئے بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں کہ ہمارا امام تمام دیگر ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے کیوں کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پوری امت میں افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر بھی وہ لوگ بہت سے مختلف فیہ مسائل میں ان کے علاوہ کی تقلید کر لیا کرتے تھے اور کسی نے اس پر انکار بھی نہیں کیا، لہٰذا یہ اجماعی مسئلہ ہوا''۔ (ص ۱۰۳)

شاہ صاحب نے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کو اختیار کرنے اور ان کو ترک کرنے کے موضوع کو اتنی اہمیت دی ہے کہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں تاکید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعة والتشدید فی ترکہا والخروج عنہا کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید اور اس کو ترک کرنے کی شدت سے نہ صرف مخالفت کی ہے بلکہ اس کے عظیم فوائد اور بڑی مصلحتیں بھی بیان کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: چاروں مذاہب کو اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان کو ترک کر دینے میں بڑے فساد کا خطرہ ہے، ''اعلم ان فی الاخذ بہذہ المذاہب الاربعة مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنہا کلہا مفسدة کثیرة'' (عقد الجید ص ۵۳)، اس کے مختلف اسباب بھی بیان کئے ہیں، فرماتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت کے احکام جاننے کے لئے سلف پر اعتماد کیا جائے، آثار بھی شاہد ہیں کہ اسی پر عمل ہوتا آیا ہے، اپنے ماقبل پر اعتماد و استنباط میں بھی ممد و معاون ہے، نقل کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہر طبقہ اپنے ماقبل طبقہ سے متصل رہے اور

اس پر اعتماد کرے، استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ سلف کے مذاہب صحیح طور پر معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال سے ہٹنے کی بنا پر اجماع سے انحراف لازم نہ آئے اور ان کے اقوال پر اعتماد کرنے میں اپنے امکان بھر جد و جہد کرے۔

شاہ صاحب نبی کریم ﷺ کا قول ''اتبعوا السواد الاعظم'' نقل کر کے رقم طراز ہیں کہ چوں کہ سچے مذاہب ان چار کے علاوہ مفقود ہیں تو ان مذاہب کا اتباع ہی سواد اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع ہے اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے انحراف ہے (عقد الجید ص ۵۶)۔ آگے فرماتے ہیں چوں کہ ہمارا زمانہ عہد رسالت سے بہت دور ہے، اس میں امانتیں ضائع ہونے لگی ہیں، اس بنا پر ظالم قاضیوں یا نفس پرست مفتیوں کے اقوال پر اس وقت تک اعتماد کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ صراحت کے ساتھ اپنی بات کی نسبت سلف میں سے کسی ایسے مشہور شخص کی طرف نہ کریں جس کی صداقت، امانت اور ذہانت کا چرچا ہو چکا ہو اور نہ کسی ایسے شخص پر اعتماد جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اجتہاد کے شرائط کا جامع نہیں ہے، شاہ صاحب امام بغوی محدث کے حوالے سے عقد الجید میں لکھتے ہیں:

''جو شخص شرائط اجتہاد کا جامع نہ ہو اس کے لئے واجب ہے کہ پیش آنے والے مسائل میں مجتہد کی تقلید کرے''۔ (ص ۱۴۱)

کیوں کہ جب عالم میں شرائط اجتہاد مفقود ہوں تو خود اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''جب علما میں یہ باتیں نہ پائی جائیں تو ان کی تصدیق نہیں کی جا سکتی، اسی کی طرف حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے کہ منافق کا قرآن سے جدال، اسلام کی دیواروں کو ڈھا دے گا اور عبد اللہ بن مسعودؓ نے بھی فرمایا کہ جس کو اتباع کرنی ہے وہ سلف کا اتباع کرے''۔ (عقد الجید، ص ۵۸)

اگرچہ شاہ صاحب مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں مگر اس پر بھی زور دیتے نظر آتے ہیں کہ تقلید میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے، انہوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ عمل کے وقت ذہن صاف اور نیت درست ہونی چاہیے اور اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اصل مقصد محض رسول اللہ ﷺ کا اتباع و پیروی ہے اور جس شخص پر وہ اعتماد کر رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے

کہ یہ شخص کتاب وسنت کا ماہر اور شریعت اسلامی کا ترجمان ہے لیکن یہ تقلید موقت ہوگی کیوں کہ اس مسئلہ میں جب کوئی صحیح حدیث یا معتبر دلیل اس مذہب کے خلاف اسے مل جائے گی تو اس کے لئے ترک تقلید ضروری ہوگا، ان کے نزدیک اگر دو برابر درجہ کے مجتہدین کا بیان کردہ مسئلہ باہم مختلف ہو تو صحیح تر قول یہی ہے کہ مقلد کو دونوں میں اختیار ہے کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے۔

شاہ صاحب اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

''تمام امت کا یا ان میں سے قابل اعتماد افراد کا ان چاروں مذاہب کی تقلید پر اتفاق رہا ہے، ان ہی میں سے وہ جس پر چاہے عمل کرے''۔ (۱/۳۷۲)

وہ اعتدال اور میانہ روی پر مستقل باب قائم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ہم نے افراط وتفریط کے درمیان کی جو راہ بیان کی ہے، مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے والے تمام جمہور علما نے اسی کو اختیار کیا اور ائمہ مذاہب نے اپنے اصحاب کو اسی کو اختیار کرنے کی وصیت کی، الیواقیت والجواہر میں شیخ عبدالوہاب امام ابوحنیفہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے دلائل سے پوری طرح واقف نہیں، اسے میرے کلام سے فتوی دینا درست نہیں اور جب امام صاحب فتوی دیتے تو اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے، یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے، جتنا ہمیں معلوم ہے اس کے لحاظ سے بہتر ہے اور اگر کوئی اس سے اچھی رائے دے تو وہ زیادہ لائق صحت ہے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے ہر شخص کا کلام قابل اخذ ورد ہوسکتا ہے''۔ (عقد الجید ص ۱۴۱)

اسی طرح سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حدیث کی صحت ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے، ان ہی سے ایک اور روایت ہے، تم جب میرا کلام حدیث کے مخالف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو، امام احمد فرماتے ہیں کسی کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے کلام کی گنجائش نہیں، وہ کہتے نہ میری تقلید کرو نہ مالک واوزاعی اور نخعی وغیرہ کی تقلید کرو، صرف کتاب وسنت کی روشنی میں کسی کی تقلید کیا کرو۔

شاہ صاحب نے مطلق تقلید کی دو قسمیں بیان کی ہے، تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی، وہ فرماتے ہیں ائمہ اربعہ کے مسالک کی تدوین وتشہیر سے پہلے دوسری صدی ہجری کے آخر تک تقلید

غیر شخصی کا رواج تھا، صحابہ کرام اور تابعین کرام کے دور میں بھی اس کا دستور تھا، پھر جب ائمہ اربعہ کے مذاہب ومسالک نے مدون شکل اختیار کر لیے تو جن کو یہ دست یاب ہوئے انہوں نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے عمل کی بنیاد رکھ لی، آہستہ آہستہ اس کا رواج بڑھتا گیا اور عام طور پر اسے اپنا لیا گیا، ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' میں مرقوم ہیں:

''دو صدیوں کے بعد لوگوں میں مخصوص مجتہدین کے مذاہب کو اختیار کرنے کا رواج شروع ہوا اور اس وقت کسی معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرنے والے بہت کم لوگ رہ گئے تھے اور اس وقت معین مذہب کی تقلید ہی واجب ہوگئی''۔ (ص ۴۳)

حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه[1]۔ (۱/۳۶۸)

چوتھی صدی سے قبل تمام لوگ تقلید شخصی پر جمع نہ ہوئے تھے بلکہ بعض لوگوں میں اس وقت تقلید غیر شخصی کا بھی وجود تھا۔

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ امت کے لئے چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید شخصی اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے خاص عنایت اور ایک الہامی راز ہے اور یہ حفاظت دین و مذہب کے لئے بھی مفید ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''تقلید شخصی میں بہت سے مصالح ہیں جو مخفی نہیں، خاص طور سے اس موجودہ دور میں جس میں کم ہمتی کی کثرت ہے اور انسان خواہش پرستی میں مستغرق ہے

---

[1] شاہ صاحب نے تقلید اور عدم تقلید کے ادوار کے بارے میں مختلف جگہوں پر تاریخی نقطہ نظر سے گفتگو کی ہے ان میں جو کچھ لکھا ہے اس میں کسی قدر تضاد پایا جاتا ہے، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری تک لوگ تقلید پر مجتمع ہوگئے تھے مگر حجۃ اللہ البالغہ اور تفہیمات وغیرہ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی تک بھی کسی ایک معین مذہب پر جمع نہیں ہوئے تھے، دراصل الانصاف حجۃ کے بعد کی تصنیف ہے جس کا خاکہ شاہ صاحب نے خود حجۃ اللہ میں غایۃ الانصاف کے نام سے پیش کیا ہے، لہذا الانصاف میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی آخری تحقیق کا نتیجہ ہے، اس کی تطبیق میں یہ کہا جاسکتا ہے۔ دوسری صدی کے بعد لوگ مذہب معین کے پابند ہوگئے تھے اور اس کے بعد کی صدیوں میں تقلید میں اضافہ اور شدت پیدا ہوگئی۔

اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر خوش اور مغرور ہے"۔ (حجۃ، ۱/ ۲۷۳)

اسی طرح عقد الجید میں اس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة (ص ۵۳)

"مذاہب اربعہ کو اپنانے میں بڑی مصلحت اور فائدے ہیں اور اس کو ترک کرنے اور نظر انداز کرنے میں بڑے فساد کا خطرہ ہے"۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں لکھتے ہیں:

"مجتہدین کے مذاہب کی پابندی میں ایک راز ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے علما کے قلوب میں الہام فرمایا اور اس پر جمع کیا، علما خواہ اس کی خوبیوں کو سمجھیں یا نہ سمجھیں"۔ (ص ۴۵)

اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ شاہ صاحب تقلید کے قائل تھے تو مذاہب اربعہ میں سے کسے ترجیح دیتے تھے، اس کے متعلق فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

"مجھے رسول اللہ ﷺ سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں کہ میرا خیال ہے پہلے میں ان کے خلاف تھا (ان میں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ ان مذاہب اربعہ ہی کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ جاؤں"۔ (ص ۶۴ و ۶۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین و تنقیح بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی"۔ (ص ۴۸)

شاہ صاحب عقد الجید میں تقلید کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اعلم ان تقليد المجتهد علی وجهين، واجب و حرام" آگے اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کتاب وسنت سے واقف نہیں ہوتا، اس کے معنی ومفہوم کی گہرائی و گیرائی تک اس کی رسائی ممکن نہیں، وہ خود سے مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا، لہذا وہ کسی عالم وفقیہ سے مسائل کے بارے میں دریافت کرے گا کہ فلاں مسئلہ میں حضور پاک ﷺ کا کیا حکم ہے، فقیہ جو کچھ اسے بتائے گا، سائل

اسی کے مطابق عمل کرے گا، اب یہ مسئلہ صریح نص سے ماخوذ ہو یا اس سے مستنبط ہو یا قیاس پر مبنی ہو، یہ تمام صورتیں اگرچہ دلالتہً ہی ہے مگر آپ ﷺ سے روایت ہی کی صورتیں ہیں اور تمام امت کا اس کے درست ہونے پر ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے۔ (عقد الجید، ص ۱۲۰)

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا عامی کے لئے کسی ایک مذہب کی تقلید ضروری ہے، یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، شاہ صاحب امام نووی کے ہم خیال ہیں اور ان دونوں کا مسلک یہ ہے کہ عامی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک معین مذہب کی تقلید کرے (عقد الجید، ص ۱۵۹) مگر ساتھ میں انہیں عوام سے یہ شکایت بھی ہے کہ وہ کسی مذہب کے اس طرح پابند ہوجاتے ہیں کہ اس سے نکلنا اسلام سے نکلنے کے مترادف سمجھنے لگتے ہیں۔

شاہ صاحب عامی کے لئے تقلید ضروری اور واجب قرار دیتے ہیں خواہ کسی معین مذہب کی تقلید کرتا ہو یا نہیں، کہتے ہیں کہ عامی کو اگر کوئی مسئلہ درپیش ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کسی مجتہد سے دریافت کرلے اور اس پر عمل کرے، اس کے لئے اب جائز نہیں کہ اسی مسئلہ میں وہ کسی دوسرے مجتہد سے رجوع کرکے اس پر عمل کرے، مگر کسی دوسرے مسئلہ میں اسے اختیار حاصل ہے چاہے وہ اسی مجتہد سے فتوی لے یا دوسرے سے (عقد الجید، ص ۱۳۸)، اگر عامی کسی خاص مذہب کا پابند ہے تو کیا وہ اس کے خلاف جاسکتا ہے، شاہ صاحب کا مسلک ہے کہ اس مذہب کے خلاف جانا اس کے لئے جائز نہیں (عقد الجید، ص ۱۰۵) مگر مخصوص حالات میں کچھ شرطوں کے ساتھ اس مذہب کے خلاف جانے کو جائز بھی قرار دیا ہے (عقد الجید، ص ۱۰۶) اور اگر وہ کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہے تو وہ جس مذہب کی چاہے تقلید کرے، شاہ صاحب نے ان تمام مسائل پر انتہائی اہم اور مفصل بحث فرمائی ہے۔

شاہ صاحب عامی کو مذہب اربعہ تک ہی محدود رہنے کو واجب قرار دیتے ہیں مگر کسی ایک مذہب معین کی تقلید کے وہ قائل نہیں، ہاں اگر عامی کسی ایسی جگہ ہے جہاں صرف ایک ہی مذہب کے علما وفقہا ہیں تو وہ ایسا کرسکتا ہے مگر غیر معین مذہب کی تقلید میں خواہش نفس کا اتباع نہ ہو۔

شاہ صاحب جن لوگوں کے لئے تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ایسا شخص جسے کسی درجے میں اجتہاد کا ملکہ ہو خواہ وہ ایک ہی مسئلہ میں البتہ اس کے لئے دوسرے مسائل میں تقلید جائز ہے۔

۲- اگر کسی مسئلہ میں کسی کو یہ معلوم ہو کہ نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ہے اور اس کے خلاف

آپ ﷺ کا کوئی حکم موجود نہیں ہے اور اس کا بھی علم ہو کہ یہ امر یا نہی منسوخ نہیں اور احادیث کی
جانچ پرکھ اور متبحرین فی العلم کی اکثریت کا عمل دیکھنے کے بعد جو مسلک اس کے نزدیک زیادہ
واضح اور ظاہر ہو اس کے خلاف عمل کرنا اس کے لئے حرام ہوگا، ظاہر ہے یہ تمام جد و جہد ایک عالم
وفقیہ ہی کرسکتا ہے نہ کہ عامی شخص۔

۳- وہ عامی جو کسی ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہو اگر اس کے ذہن میں یہ بات راسخ
ہوجائے کہ اس جیسے آدمی سے غلطی کا صدور ہی ممکن نہیں، اس نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے
اور یہ قطعی فیصلہ کرلے کہ وہ کسی بھی حالت میں اس کی تقلید ترک نہیں کرے گا خواہ اس کے خلاف
صریح دلیل ہی کیوں نہ ہو تو شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا مصداق ہے۔

۴- وہ شخص جو یہ جائز نہ سمجھتا ہو کہ کوئی حنفی المسلک شافعی المسلک سے یا کوئی شافعی
حنفی سے مسئلہ دریافت کرے یا کوئی حنفی کسی شافعی امام کی تقلید کرے تو وہ قرون اولیٰ کے اجماع
سے انحراف کرنے اور تابعین کی بھی مخالفت کرنے کا مرتکب ہوگا۔

مصادر

(۱) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور (پاکستان) اپریل ۱۹۷۱ء۔
(۲) عقد الجید، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مطبع سعیدی، کراچی، ۱۳۷۹ھ۔
(۳) حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مکتبہ تھانوی، دیوبند، ۱۹۸۶ء۔

اخبار علمیہ

انٹرنیشنل کمیشن آن سائنٹفک سائن ان دی قرآن وسنہ نے ادارہ حرف سے باہم یہ معاہدہ کیا
ہے کہ وہ ان کے انٹرنیٹ ادارہ کے لئے قرآن وحدیث میں مذکور سائنسی موضوعات اور اشارات پر
مشتمل انسائیکلوپیڈیا تیار کرے، ICSSOS کے ڈائریکٹر نے پریس کانفرنس کے دوران بتایا کہ اس
انسائیکلوپیڈیا کا مقصد قرآن وحدیث پر مشتمل مستند دستاویز تیار کرنا ہے، تاکہ اس بارے میں پوری دنیا
کے محققین کے بڑھتے مطالبہ اور دلچسپی کو پورا کیا جاسکے، یہ انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں ویب
سائٹ پر دستیاب ہوگی اور اس کی سی ڈی بھی تیار کرکے تقسیم کی جائے گی۔

نیشنل میوزیم آف دی ہالی قرآن، ایران نے ۱۲ر ۱۷ر اکتوبر ۲۰۰۶ء میں قرآنک آرٹ ورک
کے موضوع پر مراکو میں نمائش کا اہتمام کیا، اس میں قرآن مجید کے دیدہ زیب اور خوب صورت نسخے قابل
ذکر تعداد میں تھے، نیز کاغذ، شیشے اور لکڑی پر لکھی گئی قرآنی آیتیں عمدہ اور مطلا خوش خطی اور اعلا فن تحریر کا
نادر نمونہ تھیں جسے ایرانی ماہرین فن نے تحریر کیا تھا۔

مولانا روم کی سال گرہ کے موقع پر ایران کی اسلامک کلچرل اینڈ ریلیشن آرگنائزیشن نے
۲۰۰۷ء میں ایک عالمی تقریب منانے کا اعلان کیا ہے، مولانا روم کی یہ آٹھ سوویں سال گرہ ہوگی، اس
کے ڈائریکٹر کے بہ قول یہ تقریب عالمی پیمانے پر کی جائے گی، جس میں مجلس مذاکرہ، مشاعرہ، تصویروں،
دستاویزی فلموں اور کتابوں کی نمائش، روایتی موسیقی کے مظاہرے اور مولانا روم کی شخصیت کے متعدد
پہلوؤں پر کی گئی تحقیقات عالیہ کے تعارف اور ان کے کاموں پر ورک شاپ کا پروگرام ہوگا، پوری دنیا
سے ۲۳ ملکوں کے نمائندوں کی اس میں شرکت متوقع ہے۔

مسلم انفارمیشن سنٹر آف دی سری لنکا نے ایک رپورٹ تیار کرنے کا پروگرام بنایا ہے، اس میں
لنکا کے مسلم اسکولوں کی صورت حال کا ذکر ہوگا اور یہ وہاں حکومت کے سامنے پیش کی جائے گی، تاکہ
وہاں کے مسلم اسکولوں کا نظام تعلیم بہتر بنایا جاسکے، اس رپورٹ میں ہر ہر ضلع کے مسلم اسکولوں کی فہرست
ان کا نصاب و معیار تعلیم، ان کو سہولتیں بہم پہنچانے اور ان کی ضرورتیں وغیرہ درج کی جائیں گی اور یہ
مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا کہ جزیرہ میں درس و تدریس میں کیا آسانی پیدا کی جائے اور ٹرانسفر کے لائق
اساتذہ کو دوسرے مدرسوں میں بھیجنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں، رپورٹ کے مطابق اگر

حکومت نے ان تجویزوں کی منظوری دے دی تو اکثر مسلم اسکولوں کی سطح اوپر اٹھ جائے گی، لنکا کے جو مسلم اسکول ترقی یافتہ خیال کئے جاتے ہیں ان کا نصاب بھی سائنس اور کامرس وغیرہ جیسے جدید علوم سے عاری ہیں، لنکا کے مسلم اسکولوں کی تعداد ۷۵۰ ہے، ان میں زیادہ تر خاطر خواہ اور ضرورت کے مطابق تعلیم نہیں دے پارہے ہیں، سونامی سے متاثر اضلاع امپارا، ہمبا نوٹہ، کلینو چھی، ملاتیوو وغیرہ کے علاوہ اور بھی بہت سے اضلاع کے اسکول جو حکومتی امداد کا استحقاق رکھتے ہیں مگر وہ نظر انداز کردئے گئے ہیں۔

OIC نے مسقط، عمان میں سائنس و ٹکنالوجی کا مستقل سنٹر کھولنے کے لئے ایک جگہ کا تعین کیا ہے، اس کی پچیسویں میٹنگ کے افتتاحی اجلاس میں OIC کے ڈائریکٹر پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو نے سائنس و ٹکنالوجی کی اہمیت اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں اس کے ناگزیر کردار ہونے پر زور دیا اور کہا کہ سائنس و ٹکنالوجی عالم اسلام کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے انجن اور ڈرائیونگ فورس کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے کہا کہ OIC کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ اس نے سائنس دانوں کے تعاون سے ڈپارٹمنٹ آف سائنس و ٹکنالوجی کا نظم کیا ہے، میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا کہ اس شعبہ کی پالیسیوں اور منصوبوں کی اطلاعات سعودی حکومت کو بطور خاص فراہم کی جائیں گی۔

مسجد نبوی کے باب ۲۴ میں خواتین کے لئے ایک لائبریری پہلے سے قائم ہے جس میں اردو، انگریزی، عربی، فارسی، ترکی اور انڈونیشیائی زبانوں کی کتابوں کا ذخیرہ ہے جس سے استفادے کا سلسلہ جاری ہے، اب مسجد کے باب ۲۸ میں صرف بچوں کے لئے لائبریری کا قیام عمل میں آیا ہے، اس کتب خانے میں بھی بچوں کی دلچسپی اور ان کے معیار کے لحاظ سے متعدد زبانوں میں کتابوں کی خاصی تعداد موجود ہے، نیز مسجد نبوی میں دیے گئے خطبوں اور دروس وغیرہ کی آڈیو کیسٹس بھی ان کے لئے مفت فراہم کی گئی ہیں۔

---

۱۷ برس کے ایک نوجوان طالب علم سلطان القصیر نے ''بین البراعظمی ریموٹ کنٹرول'' نام سے ایک ایسا ریموٹ کنٹرول تیار کیا ہے جس کی مدد سے دنیا میں کہیں کے بھی موبائل یا ٹیلی فون سے ربط پیدا کیا جاسکتا ہے، اس سسٹم کے تحت فون کی بل بجنے کے وقت ایک سرکٹ کوڈ لہروں کو روانہ کرتا ہے پہلا سرکٹ تیسری بل تک انتظار کے بعد دوسرے سرکٹ کو پیام وصول کراتا ہے اور وہ صوتی لہروں سے آنے والے وصول شدہ پیام کو کوڈ احکام میں منتقل کرنے کا عمل شروع کردیتا ہے اور اس طرح بہ آسانی ربط پیدا ہوجاتا ہے، رپورٹ کے مطابق اس آلہ کی تیاری میں ایک برس کا عرصہ لگا ہے۔ ک۔ ص اصلاحی

☆☆☆☆

معارف کی ڈاک

تحقیق یا سرقہ؟

قطب پور ضلع لودھراں، پاکستان
۱۵/ جنوری ۲۰۰۷ء

مکرمی و محترمی حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔

کافی انتظار کے بعد ماہ دسمبر ۲۰۰۶ء کا ''معارف'' مورخہ ۱۲/ جنوری ۲۰۰۷ء کو نظر نواز ہوا،[1] ڈاکٹر عبدالرحیم، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان کا مقالہ بہ عنوان ''برصغیر پاک و ہند میں تفاسیر و تراجم کا آغاز وارتقا'' بغور مطالعہ کیا، ماہنامہ معارف اپنے تابناک ماضی کے پس منظر میں جس علمی و تحقیقی روایت کو اپنے جلو میں لے کر آگے بڑھ رہا ہے، اس پس منظر میں فاضل مقالہ نگار کا مقالہ معیاری معلوم نہیں ہوتا، اس امر کی نشان دہی جناب والا نے خود مقالہ سے قبل وضاحتی نوٹ میں بھی کردی ہے کہ فاضل مقالہ نگار کو اولاً شمالی ہندوستان کے علما کی خدمات سے زیادہ آگاہی نہیں ہے، ثانیاً موضوع سے متعلق ان کو اصل ماخذ اور مواد کا بھی زیادہ پتا نہیں، اس کے باوجود موضوع کی اہمیت کی بنا پر مقالہ شائع کیا گیا۔

مجھے اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ مورخہ ۲۸/ اپریل ۱۹۹۹ء تا یکم مئی ۱۹۹۹ء کو ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے زیر اہتمام برصغیر میں مطالعہ قرآن کی کوششوں کا جائزہ لینے اور علمی حلقوں کو اس سے متعارف کرانے کے لئے چارروزہ سمینار منعقد ہوا تھا، جس میں پڑھے جانے والے چند مقالات ادارے کے مجلہ سہ ماہی ''فکر و نظر'' کے خاص شمارے بابت جون ۱۹۹۹ء میں چھپ گئے ہیں، اس کے صفحہ ۶۷ تا ۱۰۴ پر محترم ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کا مقالہ بہ عنوان ''برصغیر میں مطالعہ قرآن، تراجم و تفاسیر'' شامل اشاعت ہے، یہی مقالہ فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر عبدالرحیم کے پیش نظر رہا ہے اور اسی کی مدد سے اپنا مقالہ تحریر کیا، سہ ماہی فکر و نظر کے مذکورہ خاص شمارہ کے صفحہ نمبر ۷۴ پر ۱۸۵۷ء تا تقسیم ہند کے ذیلی عنوان کے تحت اس عرصہ کے دوران زیور طبع سے آراستہ ہونے والی تفاسیر کی فہرست دی گئی ہے، اسی فہرست کو فاضل مقالہ نگار نے ۱۸۵۷ء تا ۲۰۰۲ء کی تفاسیر کے ذیلی عنوان کے تحت شامل کرکے اپنے مقالہ کی رونق بڑھائی ہے،

---

[1] جی ہاں ڈاک کا نظام ہی عجیب ہوگیا ہے، آپ کا والا نامہ مورخہ ۱۵/ جنوری مجھے ۳/ فروری کو ملا، اگر ایک ہفتہ پہلے آیا ہوتا تو فروری ہی کے معارف میں شائع ہوجاتا۔ ''ض''

اسی فہرست میں فاضل مقالہ نگار نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب بہ عنوان "منہاج القرآن" کو بھی بہ طور تفسیر شامل کیا ہے، حالاں کہ یہ کتاب قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ کتاب انسان کا تصور کائنات اور انسان کی انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی اور پیش آمدہ مسائل اور ان کا قرآنی حل جیسے موضوعات کو محیط ہے، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی مذکورہ کتاب ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کیا ہے، حیرانی کی بات یہ ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اسے تفاسیر میں شمار کیا ہے، تفسیر منہاج القرآن پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی نامکمل تالیف ہے، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، طاہر القادری صاحب کے استاذ تھے اور طاہر القادری صاحب اپنے استاذ سے بہت inspire تھے، اسی لئے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام "منہاج القرآن" رکھا، اسی وجہ سے غالباً فاضل مقالہ نگار کو تسامح ہوا اور انہوں نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب منہاج القرآن کو تفسیر کے ذیل میں شمار کیا ہے، یہ وضاحت بندہ ناچیز نے اس لئے ضروری سمجھی کہ ماہنامہ معارف کا حوالہ علم و تحقیق کی دنیا میں دیا جاتا ہے اور وہ سند گردانا جاتا ہے اس لئے کوئی صاحب ڈاکٹر عبدالرحیم کے مقالے کی وجہ سے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب منہاج القرآن کو تفسیر کی کتاب نہ سمجھ لیں۔

مقالہ نگار نے مولانا وحید الدین فراہی کی تفسیر وحدی کا حوالہ دیا ہے، جناب والا نے بھی اس پر حاشیہ تحریر کیا ہے، دراصل انہیں سہ ماہی فکر و نظر سے تفاسیر کی فہرست نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے کیوں کہ سہ ماہی فکر و نظر میں مولانا وحید الزماں کی تفسیر وحیدی اور مولانا حمید الدین فراہی کی تفسیر نظام القرآن کا اوپر تلے ذکر ہے، اس لئے انہوں نے دونوں ناموں کو گڈمڈ کر کے اپنے مقالہ میں تفسیر وحدی از مولانا وحید الدین فراہی تحریر کر دیا۔

اس کے علاوہ فاضل مقالہ نگار نے "عربی تفاسیر اور ان کے موضوعات" کے ذیلی عنوان کے تحت مولانا عبدالعزیز پرہاروی کی تفسیر کا نام السلسبیل فی التنزیل تحریر کیا ہے جو کہ غلط ہے، درست نام السلسبیل فی تفسیر التنزیل ہے، راقم الحروف کے پاس اس کا قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔

اگر کسی یونی ورسٹی کے پروفیسر کے ہاں تحقیق کا یہ معیار اور انداز ہے تو پھر تحقیق کا اللہ حافظ، یہ کس قدر افسوس ناک اور معیوب بات ہے کہ کسی کے مقالے میں حذف و اختصار کر کے اور اپنی طرف سے ایک لفظ بھی تحریر کئے بغیر اس کو اپنے نام سے شائع کرا دیا جائے، اس کو اگر تحقیق کا نام دیا جائے گا تو سرقہ کسے کہیں گے؟

اظہار حقیقت ضروری تھا اس لئے یہ خط لکھ دیا ورنہ کسی کی دل آزاری مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ والسلام آپ کا مخلص، محمد نواز موہل

معارف: فکر و نظر کے جس خاص نمبر کا حوالہ مکتوب نگار نے دیا ہے وہ خاکسار کی نظر سے بھی گزرا تھا مگر ڈاکٹر عبدالرحیم کا مضمون اشاعت کے لئے دیتے ہوئے اس کا خیال نہیں آیا، ہم مکتوب نگار کے شکر گزار ہیں، امید ہے کہ صرف مذکورہ مقالہ نگار ہی نہیں دوسرے مقالہ نگار اور محقق حضرات بھی اس طرح کی غیر ذمہ داری اور بددیانتی سے باز رہیں گے۔

مطبوعات جدیدہ

الفرق بین الفرق از امام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی، مترجم و محشی پروفیسر علی محسن صدیقی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۵۵۵، قیمت ۳۸۰ روپے، پتہ: قرطاس، پوسٹ بکس ۸۴۵۳، کراچی یونی ورسٹی، کراچی، ۷۵۲۷۰ پاکستان۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے علما میں اس کتاب کے مصنف کی شان، امتیازی ہے، وہ امام ابواسحاق شافعی اسفرائنی کے شاگرد اور امام ماوردی، امام باقلانی جیسے مشاہیر اہل علم کے معاصر تھے، فقہ و فرائض اور علم کلام میں خاص طور سے نمایاں تھے، زیر نظر کتاب میں فرقہ ناجیہ کے علاوہ گمراہ فرقوں کی تاریخ و تفصیل ہے، اصلاً یہ بھی مصنف کی کلامی مہارت کا ثبوت ہے کہ انہوں نے مختلف فرقوں کی تاریخ ہی بیان نہیں کی بلکہ ان کے عقائد و نظریات کا رد بھی کیا ہے، خصوصاً شیعہ اور معتزلہ کے افکار پر تو ان کی بحث مناظرانہ ہے، کتاب پانچ ابواب یعنی اختلاف امت، تہتر فرقے کیسے؟ اہل الاہواء کے عقائد، اسلام سے خارج فرقے اور فرقہ ناجیہ کے اوصاف و محاسن پر مشتمل ہے اور ہر باب کے تحت الگ الگ فصلیں ہیں، مثلاً باب چہارم کے ضمن میں سترہ فصلیں ہیں، کتاب ایک عبرت نامہ بھی ہے کہ قرون اولی سے متصل زمانے میں فلسفہ و منطق کے زیر اثر کیسے کیسے خیالات و نظریات نے سیاست و معاشرت کے زیر اثر عالم اسلام کو افتراق و انتشار کی حد درجہ تکلیف دہ صورت حال سے دوچار کر رکھا تھا، صرف فرقہ امامیہ میں پندرہ اور فرقے پیدا ہو گئے تھے اور ہر فرقہ اسلام کی تصویر کو مسخ سے مسخ تر کرنے میں ایک دوسرے پر بازی مارنے میں منہمک تھا لیکن یہ روشن پہلو بھی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے فرقہ ناجیہ کی مدافعت بھی اسی درجے کی تھی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یہ تمام فرقے صرف تاریخ کے صفحات میں ہیں، عملاً ان میں سے اب صرف چند ہی باقی رہ گئے ہیں اور جو ہیں بھی ان کے ترکش خالی اور دھار بے کار اور بے اثر ہے، فاضل مترجم محقق و مورخ ہونے کے علاوہ ایک ماہر مترجم ہیں، ان کی بعض مترجمات کا ذکر ان سطور میں آچکا ہے، زیر نظر ترجمہ بھی ان کی مہارت کا ثبوت ہے اور ان کے حواشی تاریخ پر ان کی گہری نظر کے علاوہ ان کی معروضی فکر کے گواہ ہیں، مثلاً مشاجرات صحابہؓ کے ذکر میں مصنف بغدادی کے خیالات پر فاضل مترجم نے لکھا کہ "ان واقعات کا عقائد سے اتنا ہی تعلق ہے کہ ان سے صحابہ کرامؓ کی عدالت مجروح

نہ ہو، اس سلسلے میں انہوں نے خود کتاب کے مصنف کے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ مصنف نے سبائی راویوں کی یہ روایت تو نقل کی کہ حضرت طلحہؓ کو مروان نے تیر مارا تھا مگر وہ اس کی تنقیح نہ کر سکے کہ میدان جنگ میں جہاں ہزاروں کے لشکر میں نیزے اور تلواریں چل رہی تھیں، یہ تعین کیسے ہوا کہ حضرت طلحہ کو لگنے والا تیر مروان ہی نے چلایا تھا، مصنف کے نقطہ نظر سے اختلاف کی یہ شاید واحد مثال ہے باقی تمام حواشی تاریخی اور توضیحی ہیں اور ان سے یہ کتاب اردو دانوں کے لئے اور اہم ہوگئی ہے۔

ابوالکلام آزاد (موضوعاتی و وضاحتی اشاریہ) مرتبہ ڈاکٹر عطا خورشید، قدرے بڑی تقطیع، کاغذ و طباعت بہترین، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۹، قیمت ۵۷۵ روپے، پتہ: مولانا آزاد لائبریری، علی گڑہ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑہ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیفات، مضامین و مقالات اور خود ان سے متعلق تحریروں کا دائرہ گذشتہ صدی میں اس طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا کہ علوم و افکار آزاد پر داد تحقیق دینے والوں کے لئے ابوالکلامیات کی نشان دہی ایک سخت ضرورت ہوگئی، مولانا مرحوم کے بعض عقیدت مندوں نے اسی احساس کے تحت چند اشاریے ترتیب بھی دیے لیکن زمانہ کے تقاضوں کے تحت یہ محسوس کیا گیا کہ موضوعاتی اور وضاحتی اشاریہ بھی ہونا چاہیے، زیر نظر کتاب میں اسی ضرورت کا عمدہ اور جامع اظہار ہے، ۱۹۹۸ء تک ابوالکلامیات کے سفر کا ہر نقش اس میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس طرح کہ ان کی تصنیفات، تالیفات، مضامین، خطبات وغیرہ کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر کے ہر کتاب کے مشمولات کی وضاحت کر دی گئی، اسی طرح مولانا پر لکھی گئی تحریروں کو موضوع کے لحاظ سے یکجا کر دیا گیا اور آخر میں مضمون نگاروں اور مصنفوں کے ناموں کا اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا یعنی لائق مرتب نے پوری امکانی کوشش کی کہ طلبہ اور محققین کے لئے ہر مشکل آسان کر دی جائے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں، اردو کے علاوہ یہ کتاب انگریزی میں مولانا آزاد کے متعلق تحریروں کا بھی اشاریہ ہے، ایسی محنت، جستجو اور سلیقہ مندی مولانا آزاد لائبریری کے شایان تھی اور اس کے حسن اظہار پر وہ واقعی لائق تحسین و ستائش ہے، کتاب کی قیمت کچھ زیادہ ہے، کتب خانوں، اداروں اور ریسرچ اسکالروں کے علاوہ مولانا آزاد کے شیدائیوں کا خیال بھی ضروری تھا۔

ع۔ص

☆ ☆

علامہ شبلی نعمانیؒ کی تصنیفات

		Pages	Rs
۱۔سیرۃ النبیؐ اول (مجلد اضافہ شدہ کمپیوٹر ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	512	190/-
۲۔سیرۃ النبیؐ دوم (مجلد اضافہ شدہ کمپیوٹر ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	520	190/-
۳۔مقدمہ سیرۃ النبی	علامہ شبلی نعمانی	74	30/-
۴۔اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	علامہ شبلی نعمانی	146	85/-
۵۔الفاروق (مکمل)	علامہ شبلی نعمانی	514	95/-
۶۔الغزالی (اضافہ شدہ ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	278	120/-
۷۔المامون (مجلد)	علامہ شبلی نعمانی	248	65/-
۸۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی	316	130/-
۹۔الکلام	علامہ شبلی نعمانی	324	65/-
۱۰۔علم الکلام	علامہ شبلی نعمانی	202	35/-
۱۱۔مقالات شبلی اول (مذہبی)	مولانا سید سلیمان ندوی	236	65/-
۱۲۔مقالات شبلی دوم (ادبی)	مولانا سید سلیمان ندوی	108	25/-
۱۳۔مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	مولانا سید سلیمان ندوی	180	32/-
۱۴۔مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	مولانا سید سلیمان ندوی	194	35/-
۱۵۔مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	مولانا سید سلیمان ندوی	136	25/-
۱۶۔مقالات شبلی ششم (تاریخی)	مولانا سید سلیمان ندوی	242	50/-
۱۷۔مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	مولانا سید سلیمان ندوی	124	25/-
۱۸۔مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	مولانا سید سلیمان ندوی	198	55/-
۱۹۔خطبات شبلی	مولانا سید سلیمان ندوی	190	35/-
۲۰۔مکاتیب شبلی (اول)	مولانا سید سلیمان ندوی	360	40/-
۲۱۔مکاتیب شبلی (دوم)	مولانا سید سلیمان ندوی	264	35/-
۲۲۔سفرنامہ روم و مصر و شام	علامہ شبلی نعمانی	238	80/-

۲۳۔شعر العجم (اول ص 274 قیمت -/85) (دوم ص 214 قیمت -/65) (سوم ص 192، قیمت -/35)
(چہارم ص ، قیمت) (پنجم ص 206، قیمت -/38) (کلیات شبلی (اردو) ص 124، قیمت -/25)